قرآن رہنمائے سائنس

مصنف: ہارون یحییٰ

محمد یحییٰ

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

قرآن رہنمائے سائنس

(THE QURAN LEADS THE WAY TO SCIENCE)

مصنف: ہارون یحییٰ

مترجم: محمد یحییٰ

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر۔ غزنی سٹریٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

www.KitaboSunnat.com

نام کتاب ——— قرآن رہنمائے سائنس

مصنّف ——— ھارُون یحییٰ

مترجم ——— مُحمّد یحییٰ

ناشر ——— مکتبۂ رحمانیہ لاہور

مطبع ——— لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

ٹائپ سیٹنگ ——— قرآن ھاؤس

حصہ اوّل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
۱	تعارف	۶
۲	عرضِ مترجم	۸
۳	مذہب سائنس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے	۱۲
۴	ایمان باللہ جذبۂ تحقیق کو مہمیز لگا دیتا ہے	۱۵
۵	صاحبِ ایمان سائنسدانوں کا ذوقِ عبادت	۲۰
۶	مذہب سائنسدانوں کو صحیح راہ پر گامزن کرتا ہے	۲۳
۷	نظریۂ ازلیتِ کائنات سے سائنس کے نقصانات	۲۶
۸	کائنات میں منصوبہ بندی سے انکار کے باعث سائنس کو پہنچنے والے نقصانات	۳۳
۹	نظریۂ ارتقا کو ثابت کرنے کی سعی لا حاصل اور اس سے سائنس کو پہنچنے والے نقصانات	۳۷
۱۰	غیر جاندار مادے سے تشکیل زندگی ثابت کرنے سے سائنسی نقصانات	۳۹
۱۱	ارتقائے انواع کے دعوے کو ''ثابت'' کرنے کی کوشش کے نقصانات	۴۵
۱۲	تبدیلی توارث کا چیستان	۶۰
۱۳	فطرت کے مظہر کاملہ ہونے سے انکار کے نقصانات	۶۵
۱۴	ناکامیوں کے بعد دہریئے اور ارتقائی سائنسدانوں پر مرتب ہونے والے اثرات	۷۲
۱۵	ارتقائی فریب کاریوں سے سائنس کو پہنچنے والا نقصان	۷۶
۱۶	نئی دریافتوں سے علمبردارانِ ارتقا کے سینوں پر سانپ لوٹتے رہے	۷۹
۱۷	حاصلِ بحث	۸۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر

تعارف

خدا انسانوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ آسمانوں، زمین، پہاڑوں، ستاروں، پودوں، بیجوں، جانوروں، رات اور دن کے ادل بدل، تخلیقِ انسانی، بارشوں اور بہت سی دیگر مخلوقات پر غور وفکر اور تحقیق کرے تا کہ وہ اپنے گردو پیش میں پھیلے ہوئے کمالِ ہنرمندی کے گونا گوں نمونے دیکھ کر اس احسن الخالقین کو پہچان سکے جو اس ساری کائنات اور اس کے اندر موجود تمام اشیاء کو عدم سے وجود میں لایا۔

سائنس ہمیں اس کائنات اور دیگر موجودات کے مطالعے کا ایک طریقہ بتاتی ہے۔ اس سے ہمیں مخلوق کے وجود کی رعنائیوں اور خالق کی حکمتِ بالغہ کا شعور ملتا ہے اور ایک پیغام بھی موصول ہوتا ہے۔ لہٰذا مذہب، سائنس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیونکہ ہم اس کے ذریعے تخلیقاتِ خداوندی کی لطافتوں اور نزاکتوں کا بہتر مطالعہ کر سکتے ہیں۔

مذہب مطالعۂ سائنس کی نہ صرف حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ بلکہ اس امر کی بھی اجازت دیتا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو اپنے تحقیقی کام کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے مذہب کے افشا کردہ حقائق سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔ اس سے ٹھوس نتائج برآمد ہونے کے ساتھ ساتھ منزل بھی جلدی قریب آ جاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مذہب وہ واحد ذریعہ ہے جو زندگی اور کائنات کے ظہور میں آنے سے متعلق سوالات کا صحیح اور متعین جواب فراہم کرتا ہے اگر تحقیق صحیح بنیادوں پر استوار ہو تو وہ آفرینشِ کائنات اور نظامِ زندگی کے بارے میں مختصر ترین وقت میں کم سے کم قوت کو بروئے کار لانے سے بھی بڑے بڑے حقائق تک پہنچا دے گی۔ جیسا کہ 20 صدی کے عظیم سائنسدانوں کی صفِ اول میں شمار ہونے والی شخصیت البرٹ آئن سٹائن کا مقولہ ہے کہ ''سائنس مذہب کے بغیر لولی لنگڑی ہے۔'' اس کے معنی یہ ہیں کہ سائنس کو اگر مذہب کی روشنی اور رہنمائی حاصل نہ ہو تو وہ صحیح طور پر آگے کی طرف قدم نہیں بڑھا سکتی۔ ایسا نہ کرنے سے یقینی نتائج کے حصول میں نہ صرف بہت سا وقت ضائع ہو

جائے گا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ امکان بھی غالب ہے کہ تحقیق بالکل بے نتیجہ اور ناقص رہے گی اور اکثر ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔

مادہ پرست سائنسدانوں نے ماضی میں جو راستہ اختیار کیے رکھا ہے بالخصوص پچھلے 200 سال میں وہ جو مساعی بروئے کار لاتے رہے ان میں بہت سا وقت ضائع ہوا۔ بہت سی تحقیق اکارت گئی اور اس پر لگا ہوا لاکھوں کروڑوں ڈالرز کا سرمایہ نالے میں بہہ گیا۔ اس سے انسانیت کو کچھ بھی حاصل وصول نہ ہو سکا۔

اس سے یہ بات واضح طور پر سمجھ لی جانی چاہیے کہ سائنس صرف اسی صورت میں قابلِ اعتماد نتائج حاصل کر سکتی ہے جب اس کی تحقیق و تفتیش کا مدعا و مقصد تخلیقِ کائنات کے رازوں اور اشاروں کو سمجھنا ہو۔ اگر اس نے اپنے وقت اور وسائل کو ضائع ہونے سے بچانا ہے تو اسے صحیح ہدایت کی روشنی میں صحیح راستے کا انتخاب کرنا ہوگا۔

عرض مترجم

نظریۂ ارتقا اور اس سے ملتے جلتے چند دیگر نظریات کے علمبرداروں نے انسان کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ کائنات ازلی وابدی ہے اور اس میں پائے جانے والے تمام جاندار از خود بے جان مادے سے پیدا ہوئے۔ پہلے ایک خلیہ (CELL) پیدا ہوا جو تقسیم در تقسیم کے ایک لا متناہی عمل کے ذریعے مختلف جانوروں کی شکلیں اختیار کرتا چلا گیا۔ اس طرح زندگی کا یہ سارا نظام ایک اتفاقی ہنگامۂ وجود وظہور ہے جس کے پیچھے کوئی مقصد اور مصلحت نہیں۔ یہ یوں ہی بن گیا ہے یوں ہی چل رہا ہے اور یوں ہی بے نتیجہ ختم ہو جائے گا۔ اس کا کوئی مالک نظر نہیں آتا۔ لہٰذا وہ یا تو ہے ہی نہیں اور اگر ہے تو انسان کی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ انسان ایک قسم کا جانور ہے جو شاید اتفاقاً یہاں پیدا ہو گیا ہے۔ کچھ خبر نہیں کہ اس کو کس نے پیدا کیا یا یہ خود پیدا ہو گیا۔ بہر حال ہمیں صرف اتنا سمجھنا چاہئے کہ یہ اس زمین پر پایا جاتا ہے کچھ خواہشیں رکھتا ہے جنہیں پورا کرنے کے لئے اس کی طبیعت اندر سے زور دیتی ہے وہ کچھ قویٰ اور کچھ آلات رکھتا ہے جو ان خواہشوں کی تکمیل کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

لہٰذا اس کی قوتوں کا کوئی مصرف اس کے سوا نہیں ہے کہ یہ اپنی خواہشات وضروریات کو زیادہ سے زیادہ کمال کے ساتھ پورا کرے اور دنیا کی حیثیت اس کے سوا نہیں ہے کہ یہ ایک خوانِ یغما ہے جو اس لئے پھیلا ہوا ہے کہ انسان اس پر ہاتھ مارے۔ اوپر کوئی صاحبِ امر نہیں جس کے سامنے انسان جوابدہ ہو اور نہ کوئی علم کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ موجود ہے جہاں سے انسان کو اپنی زندگی کا قانون مل سکتا ہو۔ لہٰذا انسان ایک خود مختار اور غیر ذمہ دار ہستی ہے۔ اپنے لئے قانون وضابطہ بنانا اور اپنی قوتوں کا مصرف تجویز کرنا اور موجودات کے ساتھ اپنے طرزِ عمل کا تعین کرنا اس کا اپنا کام ہے۔

اس کے لئے اگر کوئی ہدایت ہے تو قدیم جانوروں کی زندگی (PALAENTOLOGY) میں، پتھروں اور ہڈیوں کی سرگزشت (FOSSILS) میں' یا خود اپنی تاریخ کے تجربات میں ہے۔ اور یہ اگر کسی کے سامنے جواب دہ ہے تو اپنے آپ کے سامنے یا اس اقتدار کے سامنے ہے جو خود انسانوں ہی میں سے پیدا ہو کر افراد پر مسلط ہو جائے۔ زندگی جو کچھ ہے

یہی دنیوی زندگی ہے اور اعمال کے سارے نتائج اسی زندگی کی حد تک ہیں۔ لہٰذا صحیح اور غلط، مفید اور مضر، قابلِ اخذ اور قابلِ ترک ہونے کا فیصلہ صرف انہی نتائج کے لحاظ سے کیا جائے گا جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ان "سائنسی" نظریات نے دہریت اور لادینی کے قدیم فلسفوں کو بڑی تقویت پہنچائی اور انہیں الٰہیات اور اس سے متعلقہ دیگر تصورات کا مذاق اڑانے کا خوب موقع ملا۔ مگر ان کی یہ خوش فہمی زیادہ عرصہ برقرار نہ رہ سکی۔ کیونکہ اس نام نہاد سائنسی کمک کے غبارے سے سائنس ہی نے جلد ہوا خارج کر دی۔

"جنینیات" (GENETICS) "خورد حیات" (MICROBIOLOGY) اور "حیاتیاتی کیمیا" (BIOCHEMISTRY) کی سائنسز نے جو ڈارون کے عہد تک منصہ شہود نہ آ سکی تھیں نظریۂ ارتقا کے تمام مزعومات کو غلط قرار دے دیا۔ (اس کی تفصیل کتاب ہذا میں موجود ہے)

کائنات کے ازلی و ابدی ہونے کا عقیدہ' مادے کے لافانی (INDESTRUCTIBLE) ہونے کے تصور پر استوار تھا۔ مگر ایٹمی توانائی کے دریافت ہو جانے کے بعد اس تخیّل کی بساط بھی الٹ گئی خود سائنس نے ثابت کر دکھایا کہ قوت' مادے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ $(E=mc^2)$ اور مادہ پھر قوت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ "حرکیاتِ حرارت کے دوسرے قانون" (SECOND LAW OF THERMODYNAMICS) نے بھی واضح کر دیا کہ جس طرح اس کائنات کا ایک نقطۂ آغاز مسلّمہ ہے اسی طرح اس کا ایک روز خاتمہ بھی یقینی ہے۔

نام نہاد نظریۂ ارتقاء کے علمبرداروں نے انسانوں کو ان کے خالق کے وجود سے بے خبر اور لاتعلق رکھنے کا ہی جرم نہیں کیا بلکہ خود سائنس کو بھی بے سمت کر کے بے شمار قیمتی انسانی وسائل کو ضائع کر دیا ہے۔ ان وسائل اور مساعی کی تضیع کی تفصیل بھی اس کتاب میں موجود ہے۔ ممتاز ترک سکالر ہارون یحییٰ نے نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ ان قدیم اور جدید سائنسدانوں کے نام بھی بتائے ہیں جو صحیح معنوں میں سائنس کی خدمت کرتے رہے اور نئی نئی دریافتیں سامنے آنے کے بعد خالق کے ساتھ اپنے تعلق کو بھی مضبوط سے مضبوط تر بناتے رہے۔

میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب قارئین کے ایمان میں بھی مضبوطی اور ان کی طمانیتِ قلب میں اضافے کا موجب بنے گی۔

مترجم: محمد یحییٰ
356 جہاں زیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
فون نمبر 7831161

مذہب سائنس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے

اسلام عقل اور شعور کا مذہب ہے۔ مذہب کی بیان کردہ صداقتوں کو کوئی بھی شخص عقل استعمال کر کے پہچان سکتا ہے۔ لیکن دکھائی دینے والی سچائی یا صداقت سے نتائج اخذ کرنے کے لئے اپنے شعور کو بروئے کار لانا پڑتا ہے۔ کائنات کی کسی چیز کی خصوصیات پر غور وفکر کرنے والا شخص خواہ ایسے مظاہر میں مہارت نہ بھی رکھتا ہو صرف اپنے عقل وشعور کی صلاحیت کے ذریعہ یہ جان لیتا ہے کہ اسے کسی زبردست عقل ودانش اور طاقت کی مالک ہستی نے تخلیق کیا ہے۔ زمین میں زندگی کو ممکن بنانے کے لئے بروئے کار آنے والے ہزاروں عوامل میں سے اسے خواہ چند ایک کا ہی علم حاصل ہو وہ بھی اسے یہ سمجھانے کے لئے کافی ہوگا کہ دنیا کو بنانے کا مقصد یہاں زندگی کو جنم دینا اور برقرار رکھنا ہے۔ اس لئے جو شخص اپنی عقل کو استعمال کرتا ہے اور اپنے ضمیر اور شعور کی آواز پر لبیک کہتا ہے' اسے دنیا کے اتفاقاً بن جانے کے دعوے کی بے ہودگی کو سمجھنے میں دیر نہیں لگتی۔ مختصراً یہ کہ جو شخص اپنے ذہن کو استعمال میں لاتا ہے اور اپنی سوچنے کی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے وہ خدا کی نشانیوں کو بڑے واضح طریقے سے سمجھ سکتا ہے۔ ان لوگوں کا ذکر ذیل کی آیت میں یوں آتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○ (سورۃ آل عمران آیت ۱۹۱)

"جو لوگ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے ہیں اور زمین اور آسمانوں کی ساخت میں غور وفکر کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) "پروردگار یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے تو پاک ہے اس سے کہ عبث کام کرے۔ پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔"

قرآن مجید میں خدا نے انسانوں کو اپنے گرد و پیش میں تخلیق کی نشانیوں کو دیکھنے اور ان پر غور و فکر کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ خدا کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی لوگوں کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا اور بڑی تاکید سے فرمایا کہ تلاشِ علم ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ ہم ذیل کی دو صحیح احادیث پڑھتے ہیں۔

(۱) "علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔" (ابن ماجہ ۲۲۴/۱ اور ترمذی ۲۱۸) رواہ انس ابن مالک)

(۲) "علم حاصل کرو اور دوسروں کو سکھاؤ" (ترمذی ۱۰۷، ۲۷۹ دارمی اور دارقطنی، رواہ عبداللہ بن مسعود)

جو شخص بھی کائنات کی اندرونی ساخت اور جاندار اور بے جان مادوں پر غور کرتا ہے اور اپنے گرد و پیش کی اشیا کے بارے میں تحقیق و جستجو میں دلچسپی رکھتا ہے وہ خالقِ کائنات کی حکمتِ کاملہ' اس کے علمِ بے کراں اور اس کی قدرتِ جاوداں پر ایمان لائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بعض نقاط جن پر خدا انسانوں کو خصوصی طور پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے' ذیل کی آیات میں ملاحظہ فرمایئے۔

اَفَلَمْ یَنْظُرُوْٓا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا وَزَیَّنّٰھَا وَمَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ () وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰھَا وَاَلْقَیْنَا فِیْھَا رَوَاسِیَ وَاَنْبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ بَھِیْجٍ () تَبْصِرَةً وَّذِکْرٰی لِکُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ () وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا فَاَنْبَتْنَا بِہٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِیْدِ () وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّھَا طَلْعٌ نَّضِیْدٌ () (سورہ ق آیات ۶ تا ۱۰)

"اچھا تو کیا انہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اسے بنایا اور آراستہ کیا۔ اور اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے۔ اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس پر پہاڑ جمائے اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اگا دیں۔ یہ ساری چیزیں آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں ہر اس بندے کے لئے جو (حق کی طرف) رجوع کرنے والا ہو۔ اور آسمان سے ہم نے برکت والا پانی نازل کیا پھر اس میں باغ اور فصل کے غلے اور بلند و بالا کھجور کے درخت پیدا کر دیئے جن پر پھلوں سے لدے ہوئے خوشے تہ بر تہ لگتے ہیں۔"

کائنات میں خدا، خلاقِ عظیم کے وجود کی نشانیاں ہر اس شخص کو نظر آ سکتی ہیں جو سوچنے سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو اور اپنے ذہن اور شعور سے کام لینا جانتا ہو۔

الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۖ مَا تَرٰى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ○ (سورۃ الملک آیت ۳)

"وہ جس نے تہ بہ تہ سات آسمان بنائے۔ تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو، کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟"۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ○ (سورۃ الطارق آیت ۵)

(ذرا انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے بنایا گیا ہے؟)۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ

سُطِحَتْ ﴿﴾ (سورۃ الغاشیۃ آیات ۱۷ تا ۲۰)

(تو کیا یہ لوگ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے۔ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی؟)

اوپر کی آیات کا مطلب بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو اس دنیا کے مختلف پہلوؤں کا گہرا مشاہدہ کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ مثلاً آسمانوں، بارشوں، پودوں، مویشیوں، طریق پیدائش اور زمین کے جغرافیائی خدوخال پر غور کر کے انسان ان کے خالق کی حکمت کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ اور اس مشاہدے، غور و خوض کے طریقے اور حکمت کو سمجھنے کی سعی کا نام جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں' سائنس ہے۔ سائنسی مشاہدات انسان کو اسرارِ تخلیق سے متعارف کراتے ہیں۔ اس طرح وہ خدا کے علمِ بے کراں، اس کی دانش و حکمت اور اس کی طاقت و قدرت سے آگاہی پاتا ہے۔ سائنس، خدا کے ٹھیک ٹھیک اندازوں اور اس کی صناعیوں میں حسنِ توازن کو سمجھنے کا ایک طریق کار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری تاریخ میں جتنے اچھے اچھے سائنسدان (جن سے انسانیت کو صحیح معنوں میں فیض پہنچا) گزرے ہیں وہ خدا پر نہایت پختہ ایمان رکھتے تھے۔

ایمان باللہ جذبۂ تحقیق کو مہمیز لگا دیتا ہے

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ مذہب سائنس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور جو لوگ سائنسی تحقیق کے لئے عقل و شعور کو استعمال میں لاتے ہیں ان کا ایمان مزید پختہ ہو جاتا ہے کیونکہ وہ خدا کی نشانیوں کو زیادہ قریب سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنی جستجو اور تحقیق کے ہر قدم پر ایک بے خطا اور کامل ترین نظام کو نہایت قریب پاتے ہیں۔ ہر ہر لمحے ان پر لطیف سے لطیف تر نقاط منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے حصولِ علم کے لئے نکلا ہوا آدمی جب تک واپس نہیں آجاتا اس کا یہ سارا عرصہ عبادت میں شمار ہوتا ہے۔ (ترمذی: ۲۲۰) اس طرح صاحبِ ایمان سائنسدان کو اپنے تحقیقی کاموں پر خدا کی طرف سے گرانقدر ثواب ملتا ہے۔

مثال کے طور پر آنکھ پر تحقیق کرنے والے سائنسدان پر یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ یہ پیچیدہ و منظم، اتفاقات کے تدریجی عمل کے نتیجے میں ہرگز نہیں بنا ہے۔ اس کی مزید تحقیق اسے محسوس کرائے گی کہ آنکھ کی ساخت کا ہر جزو ایک معجزاتی تخلیق ہے اور اس کے اندر دونوں اجزا ہیں جن کے مابین ایک زبردست آہنگ پایا جاتا ہے۔ اس طرح آنکھ کے خالق کی حکمت کاملہ پر اس کے ایمان میں مزید پختگی آجائے گی۔
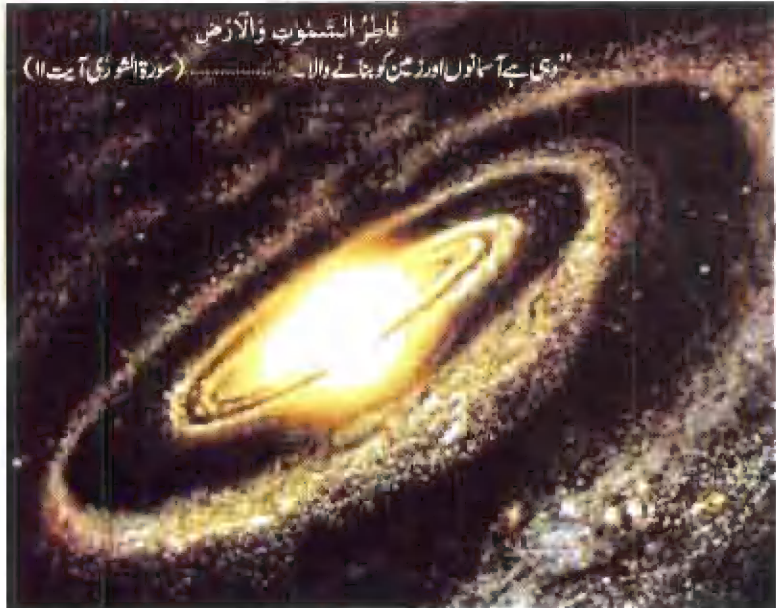
اسی طرح فلکیات کے شعبہ میں تحقیق کے دوران ایک سائنسدان ہزاروں غیر معمولی قوتوں کے حیرت انگیز توازن کو دیکھ کر ششدر رہ جائے گا۔ وہ جب لاکھوں کروڑوں کہکشاؤں اور ان کے اندر اربوں کی تعداد میں ستاروں کو دیکھے گا اور لامحدود وسعتوں میں متحرک اجسام میں زبردست ہم آہنگی پائے گا تو اس میں مزید جاننے اور کھوج لگانے کی پیاس بھی بڑھ جائے گی۔

اس طرح ایک صاحب ایمان شخص میں کائنات کے رازہائے سربستہ کو بے نقاب کرنے کا جوش و جذبہ مزید شدت اختیار کر جاتا ہے۔ البرٹ آئن سٹائن نے جسے پچھلے دور میں نابغہ روزگار سمجھا جاتا تھا اپنے ایک آرٹیکل میں سائنسدانوں کے اندر مذہبی جذبات

سے جنم لینے والے ذوقِ تجسس کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"میرا دعویٰ ہے کہ مذہبی آفاقیت کا جذبہ سائنسی ریسرچ کے لئے قوی ترین اور مقدس ترین محرک بنتا ہے۔ ایسی مسائل صرف یہی لوگ بروئے کار لاسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ جذبہ جس کے بغیر تھیوریٹیکل سائنس میں قاعدانہ کام نہیں کیا جاسکتا اسے یہیں سے تقویت حاصل ہوتی ہے۔ خواہ زندگی کی قریبی حقیقتوں سے یہ کتنا ہی بعید دکھائی دیتا ہو کام کی تکمیل میں بے حد مددگار ثابت ہوتا ہے۔ مظاہر کائنات کی معقولیت پر کتنا گہرا یقین اور اسے سمجھنے کے لئے کتنا اشتیاق تھا کہ کیپلر (KEPLER) اور نیوٹن (NEWTON) نے مادی دنیا سے الگ تھلگ رہ کر سالہا سال محنت کر کے فلکیاتی میکانیات سے متعلق معلومات کے الجھاؤ کو دور کیا اور اس کے اصول وضع کئے۔ سائنسی تحقیق سے جن لوگوں کی واقفیت زیادہ تر عملی نتائج پر مبنی ہوتی ہے وہ بڑی آسانی سے ان لوگوں کی طرح غلط تصورات میں الجھ جاتے ہیں جو دنیا سے تشکک سے گھرے ہوتے ہیں۔ یہ تصورات صدیوں پیچھے ہوئے مافوق الفطرت خیالات کے مانند ہوتے ہیں۔ حتمی کامیابی انہی کو نصیب ہوتی ہے جنہوں نے اپنی زندگی کسی واضح نصب العین کے لئے وقف کر رکھی ہوتی ہے اور ان کے اندر مضمر قوت کے ساتھ بے شمار ناکامیوں کے باوجود آگے بڑھ رہے ہوتے ہیں۔ انہیں مطلوبہ قوت کائناتی مذہب کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک معاصر نے کہا اس کا کہنا بے جا نہ تھا کہ ہمارے اس دور پرستانہ دور میں سنجیدہ کارکن وہی ہیں جو مذہبی جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔" (البرٹ آئن سٹائن۔ افکار و آراء کراؤن پبلشرز نیویارک 1954)

جرمن ماہر ریاضی و فلکیات جوہنز کیپلر کا کہنا ہے کہ وہ سائنسی سرگرمیوں میں اس لئے مصروف ہوا کہ وہ خالق حقیقی کی صنعت کاری کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ برطانیہ کے عظیم ماہر فلسفہ و ریاضی آئزک نیوٹن کا بیان ہے کہ سائنس میں اس کی دلچسپی کے پیچھے اصل محرک خدائی قدرت کے بارے میں آگہی اور بہتر شعور حاصل کرنا تھا۔ یہ ریمارکس تاریخ عالم میں گزرے ہوئے چند ممتاز ترین سائنسدانوں میں سے

صرف دو گئے ہیں۔

اگلے صفحات میں ہم سینکڑوں دیگر سائنسدانوں کے خیالات کا جائزہ لیں گے جو کائنات کی وسعتوں کا کھوج لگاتے ہوئے حق باری تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے تخلیق کردہ مظاہر اور ان سے متعلقہ قوانین سے بے پناہ متاثر ہوئے۔ پھر مزید جاننے پر کمربستہ ہو گئے۔

اسی طرح ہم دیکھیں گے کہ خدا کی تخلیق کردہ کائنات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی خواہش، تاریخ کے بہت سے سائنسدانوں کے لئے عظیم قوت محرکہ تھی۔ ایسا اس لئے تھا کہ جو کوئی بھی اس امر سے آگاہی پالیتا ہے کہ کائنات اور اس میں پائی جانے والی دیگر موجودات، مخلوق ہیں تو وہ اس حقیقت کو بھی پالیتا ہے کہ اس تخلیق کا کوئی مقصد بھی ہے۔ پھر یہ مقصد اسے اس کے معنوں کی طرف لے جاتا ہے۔ ان معنوں کی تلاش اسے نشانیوں کو بے نقاب کرنے اور ان کی مزید تفصیلات جاننے پر اکساتی ہے۔ اس طرح سائنسی مطالعہ کا ذوق وشوق بڑھتا چلا جاتا ہے۔

تاہم اگر اس کائنات اور اس کے اندر موجود اشیا کے مخلوق ہونے کا انکار کر دیا جائے تو پھر اس کے معنی بھی ناقابل رسائی ہو جاتے ہیں۔ مادہ پرستانہ فلسفے اور ڈارون ازم پر ایمان رکھنے والا سائنسدان لامحالہ یہی مفروضہ قائم کرے گا کہ یہ کائنات بے مقصد ہے اور اس میں پائی جانے والی تمام اشیاء محض "اندھے اتفاق" (BLIND CHANCE) کی کارستانی ہے۔ لہٰذا کائنات اور دیگر موجودات کی "تحقیق" کسی معنی کی تلاش کے بغیر ہو گی۔ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے آئن سٹائن نے کہا کہ:

> "جہاں تک انسانی عقل کی رسائی ہے مجھے حقائق فطرت پر یقین کے لئے مذہبی توجیہہ سے بڑھ کر کوئی حقیقت معلوم نہیں ہو سکی۔ یہ احساس جب بھی ناپید ہو جاتا ہے سائنس اپنے مقام سے گر کر ایک بے کیف و بے رنگ تجربیت (UNINSPIRED EMPIRICISM) رہ جاتی ہے۔" (موریس سولووین اول کے نام ایک خط، یکم جنوری 1951ء آئن سٹائن آرکیوز 21-174, 80,871 صفحہ 119)

چنانچہ جب صورت احوال یہ ہو تو ایک سائنس دان کے انکشافات کا مقصد یا تو شہرت حاصل کرنا اور تاریخ میں یاد رکھا جانا ہو گا یا دولت مند بننا ہو گا۔ یہ مقصد اسے خلوص اور

سائنسی دیانت کی راہ سے بھٹکا دے گا۔ مثال کے طور پر وہ اپنی تحقیقی کاوشوں کے بل بوتے پر کسی ایسے نتیجے پر پہنچ گیا ہے جو سائنس دان برادری کے رائج الوقت نظریات سے متصادم ہے تو وہ اسے پوشیدہ رکھنے پر خود کو مجبور پائے گا۔ تاکہ کہیں اس کی شہرت داغدار نہ ہو جائے یا طعن وتشنیع اور تضحیک کا نشانہ بننے سے محفوظ رہ سکے۔

دنیائے سائنس میں نظریہ ارتقاء کو طویل عرصہ تک قبولیت حاصل رہنا اسی قسم کے عدم خلوص کی ایک مثال ہے۔ بنیادی طور پر بہت سے سائنسدان اس سائنسی حقیقت سے آگاہ ہیں کہ یہ نظریہ زندگی کے آغاز کی وضاحت کرنے میں بری طرح ناکام ہو چکا ہے لیکن وہ کھلم کھلا اس کا اظہار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ انہیں خوف ہے کہ کہیں وہ منفی ردعمل کا شکار نہ ہو جائیں۔ اسی سوچ کے مطابق برطانوی ماہر طبیعات ایچ ایس لپسن (H.S.LISPSON) اعتراف کرتا ہے:

"ہم زندہ مادے کے بارے میں ڈارون کے علم کی بہ نسبت کہیں زیادہ آگاہی رکھتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اعصاب کیسے کام کرتے ہیں۔ میں ہر عصب کو الیکٹریکل انجینئرنگ کا شاہکار سمجھتا ہوں اور ہمارے جسم میں وہ لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ میرے ذہن میں ان کے بارے میں اچانک جو لفظ کوندتا ہے وہ "ڈیزائن" (منصوبہ) ہے لیکن میرے بیالوجسٹ رفقا اسے پسند نہیں کرتے۔"

(ایچ ایس لپسن ڈارون کے نظریہ ارتقا کے بارے میں ایک ماہر طبیعات کی رائے۔ پودوں کے ارتقائی رجحانات جلد دوم نمبر 1988,1 صفحہ 6)

سائنسی ادب میں سے "ڈیزائن" (منصوبہ) کا لفظ محض اس لئے خارج کر دیا گیا کہ یہ ناپسندیدہ قرار پاتا ہے۔ کیونکہ بہت سے سائنسدان اذعانی عقیدہ (تجربے کے منافی) کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں۔ چنانچہ لپسن اس پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

"درحقیقت "نظریہ ارتقا ایک سائنسی مذہب کی شکل اختیار کر چکا ہے، تقریباً سبھی سائنسدان اس پر ایمان لے آئے ہیں جبکہ بہت سے سائنسدان اپنے مشاہدات کو توڑ مروڑ کر اس کے اندر فٹ کرنے کے لئے تیار ہو چکے ہیں۔"

(فزکس بلیٹن" جلد نمبر 31 '1980 صفحہ 138: لپسن)

یہ ناپسندیدہ صورت حال بے خدا (UNGODLY) سائنس کی فریب کاریوں کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے جو 19 ویں صدی کے وسط سے شروع ہوئی اور اب تک سائنسی

برادری پر سایہ فگن ہے۔ تو ہم جیسا کہ آئن سٹائن نے کہا "مذہب کے بغیر سائنس اولی لنگڑی ہے" یہ صورت حال قابل غور ہے۔ اس فریب نے نہ صرف سائنسدانوں کو غلط راہوں پہ ڈال دیا ہے بلکہ ایسے سائنسدان بھی پیدا کر دیے جو غلطی کو جاننے کے باوجود اس سلسلے میں اپنی زبانیں بند رکھیں، یا اس سے لاتعلقی کا رویہ اختیار کر لیں۔ ہم پہلے بیان کردہ مسئلے پر اگلے صفحات میں تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔

صاحب ایمان سائنسدانوں کا ذوقِ عبادت

سائنس دانوں کی ایک قسم کا پچھلے صفحات میں ذکر آ چکا ہے تاہم بحمد اللہ ایسے سائنسدان بھی موجود ہیں جو خدا کی وحدانیت اور اس کی لاانتہائی قدرت پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہیں۔ وہ دنیوی مال و متاع سے مستغنی، عہدوں، مرتبوں اور شہرت جیسی عارضی چیزوں سے بے نیاز ہو کر ہمہ تن تحقیق و تفتیش میں منہمک رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ قدرت کے جتنے رازوں کی نقاب کشائی کریں گے ان سے بنی نوع انسان میں خدا کی بے انتہا قدرت اور اس کے بے پایاں علم کا عرفان اتنا ہی بڑھے گا اس کے واجب الوجود ہونے پر ایمان میں اتنی ہی پختگی پیدا ہو گی اور تخلیق کی حقیقت کے اتنے ہی اسرار کھلیں گے جو کسی بندے کے لئے صحیح معنوں میں ایک عبادت ہے۔

صاحب ایمان سائنسدان اپنے مخلصانہ جذبے سے سرشار ہو کر کائنات کے قوانین فطرت کے معجزاتی نظاموں، خدا کی حکمت کاملہ کے اسرار و رموز اور زندہ اجسام کے پر مغز روئیوں کے بارے میں جب وسیع پیمانے پر تحقیقی کام کرتے ہیں تو انہیں بے شمار گوہر نایاب ہاتھ آتے ہیں ان کے اخذ کردہ نتائج تحقیقی معنوں میں سائنسی پیشرفت ثابت ہوتے ہیں۔ پیش آمدہ مشکل مسائل کے باعث ان کی مساعی میں کوئی لغزش نہیں آتی۔ دوسرے لوگوں سے داد و ستائش نہ ملنے سے ان کی ہمتیں پست نہیں ہوتیں کیونکہ وہ اپنے مساعی سے صرف خدا کی خوشنودی کی تمنا رکھتے ہیں۔ وہ دوسرے اہل ایمان کی قوت ایمانیہ میں اس لئے اضافہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس سے خدا راضی ہو گا۔ یا اپنی مساعی کے لئے کوئی حد

متحرک نہیں کرتے اور دوسروں کے لئے ذریعہ فیض بننے کی خاطر اپنی بہترین مساعی بروئے کار لاتے ہیں۔ ان کی بے غرضانہ کوششیں یقیناً بار آور ثابت ہوتی ہیں اور ان کی تحقیق و مطالعہ سے لامحالہ مفید و مثبت نتائج سامنے آتے ہیں۔

کائنات میں ہر زندہ چیز ایک خلیہ کا مجموعہ ہے جو پیدا ہوتی ہے جیسے کہ ممتاز ماہر حیوانات ... کہتے ہیں کہ ایک چھوٹی سی رگ بھی ایک مکمل انجینئرنگ کا کمال نمونہ ہوتی ہے۔

نظام اعصاب (اعصابی خلیے)

عصبی خلیاتی تار

خلیہ (بنیادی اکائی)

عصبیوں سے نکلنے والی باریک شاخیں

خلیے کا مرکزہ

جو لوگ سائنس کو مذہب سے جدا رکھنے پر اصرار کرتے ہیں وہ یقیناً بہت بڑی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس کی اولین وجہ یہ ہے کہ خدا پر ایمان نہ رکھنے والے لوگ مذہب کی روحانی بلندیوں کی لذت محسوس کرنے سے محروم رہتے ہیں جس کی بنا پر ان کے جوش و خروش کے ساتھ شروع کئے ہوئے پروجیکٹ بہت جلد یکسانیت اور پژمردگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ قوت تخیل کا فقدان انہیں بے جان کر کے رکھ دیتا ہے۔ بلند نصب العین نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تگ و تاز مختصر المیعاد فوائد تک محدود ہو جاتی ہے۔ دنیوی خواہشات مثلاً دولت کمانے، مرتبہ پانے یا شہرت و وقار حاصل کرنے کی آرزو میں پال لینے کی وجہ سے وہ صرف ایسے تحقیقی کاموں کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں جو براہ راست ان کی مطلب برآری میں معاون بن سکتے ہوں۔ مثال کے طور پر پیشہ وارانہ فوائد (CAREER INTERESTS) کا متمنی سائنسدان صرف ان شعبوں میں تحقیق کرے گا جو ان کی ملازمانہ ترقی میں ممد و معاون ہو۔ وہ ایسے موضوع پر تحقیق پر ہرگز آمادہ نہ ہو گا جو بنی نوع انسان کے لئے

فائدہ مند ہو، اُلا یہ کہ اسے اس میں اپنا بھی کوئی مفاد نظر آتا ہو۔ یا اگر اسے دو تحقیقی موضوعات میں سے ایک کے انتخاب کا موقع مل رہا ہو تو وہ صرف اس موضوع کو منتخب کرے گا جس میں زیادہ مالی فائدہ، زیادہ ترقی اور زیادہ شہرت دکھائی دیتی ہو اور جس موضوع میں انسانیت کے لئے زیادہ فوائد مضمر ہوں اسے فوراً مسترد کر دے گا۔ مختصر یہ کہ اس زمرے کے سائنسدان انسانیت کے لئے شاذ و نادر ہی مفید ثابت ہوتے ہیں۔ جب تک کسی طرف سے خصوصی مراعات یا خطیر معاوضے کا وعدہ نہ کیا گیا ہو وہ ایسے موضوعات کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔ جب ذاتی مفادیٰ توقعات ماند پڑ جاتی ہیں، یعنی پر کشش مادی منصب پر پہنچنے کا چانس یا داد و دہش کا امکان نہ ہو تو ان میں فلاحِ انسانیت کے لئے کام کرنے کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی ذہنیت کے مضرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"علم اس لئے حاصل نہ کرو کہ دیگر اہلِ علم کے ساتھ مناظرہ کر سکو، دوسروں پر برتری جتا سکو، کم علم لوگوں کو مرعوب کر سکو یا لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکو۔"

(ترمذی 225 اور ابن ماجہ بروایت عبداللہ بن عمر و کعب ابن مالک)

دوسری جانب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علمِ نافع پھیلانے والوں کی تحسین کی ہے اس حدیث کا مفہوم کم و بیش یہ ہے۔

"خدا ان اہلِ علم پر رحمت نازل کرتا ہے جو لوگوں کو علمِ نافع سکھاتے ہیں۔" (ترمذی 1392)

جو شخص خدا کی رحمتوں کے نزول پر یقین رکھتا ہو وہ زیادہ جوش و جذبے اور عقیدت کے ساتھ تحقیقی کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اجرِ عظیم عطا فرماتا ہے۔ وہ اس پر سائنسی علوم کی راہیں ہی نہیں کھولتا بلکہ زندگی کے دیگر کئی شعبوں، مثلاً فن و ثقافت وغیرہ کا حقیقی مفہوم بھی واضح کر دیتا ہے۔ ان انعامات کے مستحق قرار پانے کے متمنی سائنسدانوں کا جذبۂ تحقیق کبھی ماند نہیں پڑتا بلکہ مسلسل افزوں ہوتا رہتا ہے۔

مذہب سائنس کو صحیح راہ پر گامزن کرتا ہے۔

ہم جس دنیا میں رہ رہے ہیں، یہ مادی دنیا ہے۔ سائنس مشاہدات اور تجربات کے ذریعے تحقیق و تفتیش کرتی ہے۔ ان مشاہدات و تجربات سے حاصل ہونے والی معلومات سے کئی قسم کے نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں۔ مزید برآں سائنس کی ہر شاخ کے اپنے بھی خاص خاص اصول ہوتے ہیں جنہیں مطلقاً درست مان لیا گیا ہوتا ہے یعنی انہیں مزید تحقیق کے بغیر درست تسلیم کر کے کام چلایا جاتا ہے۔ سائنسی ادب میں انہیں "پیراڈام" (PARADIGM) کہا جاتا ہے۔

تمام متعلقہ سائنسی تحقیقات کا ابتدائی لائحہ عمل یا طریقہ یہی "پیراڈام" ہوتے ہیں۔ انہیں "قیاس" یا "بے دلیل دعویٰ" (HYPOTHESIS) بھی کہا جاتا ہے۔ کسی موضوع پر تحقیق شروع کرنے کے لئے سائنسدانوں کو لامحالہ ایک بے دلیل دعویٰ قائم کرنا پڑتا ہے۔ یعنی مصدقہ معلومات کے لئے ایسے قیاس کا سہارا لینا پڑتا ہے، جو کسی واقعہ کی عارضی تشریح کے طور پر قبول کیا جا سکے، جو مزید تحقیق کے لئے بنیاد بن سکے۔ اگر مشاہدات اور تجربات اس قیاس یا مفروضے کی تصدیق کر دیں تو وہ "مصدقہ اصول" یا قانون کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن اگر تصدیق نہ ہو سکے تو وہ قیاس غیر ثابت شدہ قرار پایا جاتا ہے اور اس کی جگہ نئے قیاسات گھڑ کر انہیں ٹیسٹ کیا جاتا ہے۔ اس طرح ٹیسٹوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

کسی قیاس یا مفروضے کی تشکیل (جو کہ اس عمل کا پہلا قدم ہوتا ہے) کا انحصار اکثر و بیشتر ایک سائنسدان کے بنیادی عقیدے پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر چند سائنسدان ایک خاص عقیدے پر کاربند ہیں تو وہ اپنا کام اس مفروضے یا قیاس پر استوار کر سکتے ہیں کہ "مادہ اپنے آپ کو خود منظم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ کسی صاحب شعور عامل (CONSCIOUS AGENT) کی طرف سے مداخلت کا محتاج نہیں۔" پھر وہ سالہا سال اس مفروضے یا قیاس کی تصدیق کے لئے ریسرچ کرتے رہیں گے۔ تاہم چونکہ مادے کے اندر ایسی صلاحیت نہیں ہے اس لئے ان کی تمام کوششوں کا ضائع ہو جانا ایک یقینی امر ہوتا

ہے۔ اور اگر سائنسدان اس قیاس کو صحیح ثابت کرنے پر ہی بضد ہوں تو ان کی ریسرچ کئی سالوں بلکہ نسلوں تک چلتی رہے گی۔ اس کا حتمی نتیجہ بہت سے وقت اور بھاری وسائل کی تضیع کی صورت میں ہی برآمد ہوگا۔

تاہم اگر ابتدائی قیاس یہ ہوتا ہے کہ "وہ کسی صاحب شعور ہستی کی منصوبہ بندی کے بغیر منضبط ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔" اس پر مبنی سائنسی ریسرچ نسبتاً زیادہ تیز رفتار اور نتیجہ خیز راہ اختیار کر سکتی تھی۔

یہ الشوع یعنی موزوں مفروضہ وضع کرنے کا الشوع بالکل مختلف منبع کا محتاج ہے اس کے لئے محض سائنٹیفک ڈیٹا کافی نہیں ہے۔ منبع کی صحیح شناخت بے حد اہم اور فیصلہ کن معاملہ ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ منبع کی شناخت میں غلطی سائنسی دنیا کو سال ہا سال بلکہ کئی صدیوں تک ادھر ادھر بھٹکاتی رہے گی۔

متذکرہ منبع یا ذریعہ وہ وحی خداوندی ہے جو انسانیت کی ہدایت کے لئے اتاری گئی ہے۔ خدا اس کائنات تمام جاندروں اور ہر قسم بے جان اشیا کا خالق ہے۔ اس لئے جملہ مخلوقات کے بارے میں صحیح ترین اور غیر متنازعہ معلومات کا ذریعہ وسیلہ یا منبع اسی کی ذات کاملہ ہے۔ چنانچہ اس نے قرآن میں ان معاملات کے سلسلے میں تمام اہم اطلاعات فراہم کر دی ہیں۔ ان میں انتہائی بنیادی اور اولین معلومات یہ ہیں:

(1) خدا کائنات کو عدم سے وجود میں لایا۔ موجودات کسی الل ٹپ طریقے سے پیدا نہیں کی گئیں اور نہ ہی کوئی وجود اپنی خواہش و مرضی سے پیدا ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کسی افراتفری میں یا محض کسی اتفاق کے باعث وجود میں نہیں آئی بلکہ ایک ضابطے اور نظم کے تحت اور شعوری منصوبے کے نتیجے میں تخلیق ہوئی ہے۔

(2) یہ مادی کائنات اور یہ زمین جہاں ہم بودوباش رکھتے ہیں خصوصی طور پر انسانی زندگی کے لئے موزوں ترین بنائی گئی ہے۔ ستاروں اور سیاروں کی نقل و حرکت، جغرافیائی موجودات اور پانی یا فضا کے خواص ایک خاص مقصد کے تابع ہیں تاکہ یہاں انسانی زندگی کو ممکن بنایا جا سکے۔

(۶) زندگی کی تمام شکلیں خدا کی مرضی اور منصوبہ تخلیق کے تحت وجود میں آئیں۔ علاوہ ازیں یہ تمام مخلوقات ایک واضح ہدایت کے مطابق عمل کرتی ہیں۔ اس کی ایک مثال شہد کی مکھی ہے جس کا ذکر سورۃ النحل کی آیت ۶۸ میں یوں کیا گیا ہے۔

"وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ" (اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی)

یہ قطعی حقائق ہیں جن سے خدا نے اپنے قرآن میں ہمیں مطلع فرمایا ہے۔ سائنس کی طرف بڑھنے والا ہمارا وہی قدم نتیجہ خیز اور مفید مطلب ہو سکتا ہے جو ان حقائق پر مبنی ہوگا۔ ہمیں تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ سائنس کو مناسب بنیادوں پر استوار کرنے کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلمان سائنسدانوں نے ایسے وقت میں جب وہ دنیا کی ایک عظیم ترین تہذیب کو ابھارنے میں مدد دے رہے تھے (۹ ویں اور 10 ویں صدیوں میں) معرکۃ الآرا کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ مغرب میں سائنس کے تمام شعبوں فزکس سے لے کر کیمسٹری تک اور فلکیات سے لے کر ارضیات اور حیاتیات قدیمہ تک نمایاں کردار ادا کرنے والے ماہرین خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ انہوں نے ریسرچ کی تو اس مقصد کے لیے کی کہ وہ خالق حقیقی کی پیدا کردہ اشیاء کی ماہیت کا کھوج لگا سکیں۔

آئن سٹائن نے یہ بھی کہا ہے کہ سائنس دانوں کو اپنے تحقیقی مقاصد کے حصول کے لیے مذہبی منابع پر انحصار کرنا چاہیے۔

"اگرچہ مذہب نصب العین کا تعین کر سکتا ہے تاہم یہ بات وسیع تر مفہوم میں سائنس ہی سے سیکھی جا سکتی ہے کہ مذہب کے مقرر کردہ مقاصد کے حصول کے لیے کون کون سے ذرائع اور وسائل کارآمد ہو سکتے ہیں۔ لیکن سائنس کی تخلیق وہی لوگ کر سکتے ہیں جو صداقت اور بصیرت کے متلاشی ہوں تاہم ان احساسات کے سوتے مذہب کے دائرے سے پھوٹتے ہیں ..... میں کسی حقیقی سائنسدان کا تصور تک نہیں کر سکتا جو پختہ ایمان نہ رکھتا ہو۔" ("سائنس، فلاسفی اینڈ ریلیجن" کے موضوع پر آئن سٹائن کی ایک تقریر کا اقتباس۔ یہ تقریر 1941 میں ایک سمپوزیم میں کی گئی تھی)

لیکن 19 ویں صدی کے وسط سے سائنسدان برادری نے مذہبی منابع سے اپنا رشتہ توڑ لیا اور مادہ پرستانہ فلسفے کے زیر اثر آ گئی۔ مادہ پرستی (MATERIALISM) کے تصورات کا سرا قدیم یونان سے جا ملتا ہے جس کی بنیاد اس نظریے پر ہے کہ "مادہ ایک مطلق وجود (ABSOLUTE EXISTENCE) رکھتا ہے اور یہ کہ کوئی خدا موجود نہیں ہے۔" یہ مادہ پرستی رفتہ رفتہ سائنسدانوں میں بھی سرایت کر گئی۔ 19 ویں صدی کے آغاز تک اس کی تائید میں کافی سائنسی تحقیق کی جا چکی تھی۔ اس سلسلے میں کئی نظریات گھڑے گئے۔ مثلاً "نظریہ ازلیت کائنات" (INFINITE UNIVERSE MODEL) جو یہ کہتا ہے کہ کائنات ازل سے موجود ہے۔ ڈارون کا نظریہ ارتقاء کہ دعویٰ ہے کہ زندگی ایک اتفاقی امر (WORK OF CHANCE) ہے۔ یا فرائیڈ کہتا ہے کہ انسانی ذہن صرف دماغ پر مشتمل ہے۔

آج جب ہم مڑ کر ماضی کی طرف دیکھتے ہیں تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مادیت پرستوں کے دعوی سائنس کے لئے تضیع اوقات کے سوا کچھ نہ تھے۔

سائنسدانوں کی بہت بڑی تعداد نے اپنا بہت سا وقت اور مسائل، ان دعاوی کو درست ثابت کرنے پر صرف کر دیں لیکن نتیجہ ہمیشہ صفر رہا۔ متعدد نئی دریافتوں نے قرآن کے ان فرامین کی تصدیق کر دی ہے:

"غلط مقاصد کے لئے ہزاروں سائنسدانوں نے سائنس کا بہت سا قیمتی وقت ضائع کر دیا"

کہ کائنات کو عدم سے وجود میں لایا گیا۔

.... کہ کائنات کو انسانی زندگی کی ضرورتوں کے مطابق ڈھالا گیا۔

کہ زندگی کے لئے از خود پیدا ہونا اور اتفاقاً معرض وجود میں آنا ناممکن تھا۔

آیئے ہم ذیل میں ان سب حقائق کا یکے بعد دیگرے جائزہ لیتے ہیں۔

نظریۂ ازلیت کائنات سے سائنس کیلئے نقصانات

20 صدی کے آغاز تک سائنسدان روایتی طور پر مادہ پرستوں کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے یہ رائے رکھتے تھے کہ کائنات لامحدود، بے کراں اور بے پیدا کنار ہے۔ یعنی ازل سے ہے اور ابد تک آباد رہے گی۔ اس نظریے کے مطابق جسے نظریہ جمود کائنات (STATIC UNIVERSE MODEL) بھی کہا جاتا ہے کائنات کا نہ کوئی آغاز تھا اور نہ اس کی کوئی انتہا ہے۔ یہ مادے کا ایک غیر محدود ڈھیر (LIMITLESS CONGLOMERATION) ہے۔ یہ نظریہ کائنات کے مخلوق ہونے سے انکار پر مبنی ہے۔ اس طرح مادہ پرستانہ فلسفے کو ایک بنیاد فراہم ہو گئی۔

متعدد سائنسدانوں نے جو کلی یا جزوی طور پر نظریہ ازلیت کے قائل یا علمبردار تھے اس نظریے کو اپنی سائنسی تحقیق کی بنیاد بنایا۔

نتیجتاً فلکیات اور طبعیات کی تمام ریسرچ کا دارومدار اس مفروضے پر رہا کہ مادہ ازل سے موجود ہے۔ کچھ عرصہ تک بہت سے سائنسدان بے حد محنت اور عرق ریزی سے اس پر کام کرتے رہے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکل سکا کیونکہ سائنس اس غلط فہمی کا خود ہی تیا پانچہ کرنے والی تھی۔

بلجیئم کے سائنسدان "جارج لیمیٹر" (GEORGES LEMAITRE) "نظریہ ازلیت کائنات" کے سقم کو بھانپنے والا پہلا شخص تھا۔ چنانچہ اس نے اس کا سائنسی متبادل پیش کیا۔ اس نے روسی سائنسدان الیگزینڈر فرائیڈ مین کے جمع کردہ اعداد و کوائف (COMPUTATIONS) کو بنیاد بنا کر اپنے اس نظریے کا اعلان کیا کہ "کائنات کا فی الواقع ایک آغاز تھا" اور یہ کہ "اس لمحہ آغاز کے بعد سے اس میں مسلسل وسعت پیدا ہو رہی ہے۔"

یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ جارج لیمیٹر سائنسدان ہونے کے علاوہ ایک پادری بھی تھا۔ وہ اس بات کا سختی سے قائل تھا کہ "خدا نے کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔" اس لئے سائنس کے بارے میں اس کی اپروچ مادہ پرستوں سے بہت مختلف تھی۔

اگلے چند سالوں میں لیمیٹر کے دعوے کے صحیح ہونے کی توثیق ہوگئی۔ سب سے پہلے امریکی ماہر فلکیات ایڈون ہبل (EDWIN HUBBLE) نے اپنی ہیکل دیوقامت دوربین سے یہ مشاہدہ کیا کہ ستارے ہم سے دور دور جا رہے ہیں اور ایک دوسرے سے بھی مسلسل دور ہو رہے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات مزید وسعت اختیار کر رہی ہے۔ اس طرح وہ جامد (STATIC) نہیں ہے جیسا کہ مادہ پرستوں نے عرصہ دراز سے مفروضہ قائم کر رکھا تھا۔

دیوقامت دوربین کی تصویر جس سے مشاہدہ کیا گیا کہ ستارے نہ صرف ہم سے بھی دور جا رہے ہیں اور ایک دوسرے سے بھی دور جا رہے ہیں۔

درحقیقت اس سے قبل البرٹ آئن سٹائن نظریاتی طور پر، حسابی انداز میں بالوضاحت قرار دے چکا تھا کہ کائنات ساکن نہیں ہو سکتی لیکن اس نے اپنی تھیوری کا برملا اعلان کرنے سے گریز کیا کیونکہ اس کے حساباتی تخمینے (CALCULATIONS) اس دور کے مسلّمہ ''ساکن کائناتی ماڈل'' (STATIC UNIVERSE MODELS) سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ اس صدی کا یہ نابغۂ عظیم بھی مادہ پرستوں کے اذعانی عقیدے سے مزاحم ہونے سے خوفزدہ تھا اور اس نے اپنے اخذ کردہ نتائج کو سامنے نہ لانے میں ہی خیریت سمجھی۔ یوں ایک اہم دریافت بروقت منظر عام نہ آ سکی۔ بعد ازاں آئن سٹائن نے سچائی کا اعلان نہ کرنے کے ''فیصلے'' کا حوالہ دیتے ہوئے اسے اپنے ''کیریئر کی سنگین ترین غلطی'' قرار دیا۔

ایک اور اہم صداقت' کائنات کی توسیع پذیری تھی جس کا پہلے ذکر آ چکا ہے۔ اگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کائنات پھیلتی جا رہی ہے تو پھر جب بھی پیچھے کی جانب سفر کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کا سائز چھوٹا ہوتا چلا جائے گا۔ اگر آدمی عقب کی جانب زیادہ سفر کرلے تو ہر چیز چھوٹی ہوتے ہوتے یہاں تک سکڑ جائے گی کہ ایک ''نقطے'' میں مرکوز ہو جائے گی۔ حسابی اعداد (CALCULATIONS) بتاتے ہیں کہ اس ''نقطے'' پر پہنچ کر اس کا حجم صفر ہو جانا چاہئے۔ ہماری یہ کائنات اسی ''نقطے'' کے نتیجے میں معرض وجود میں آئی جسے اصطلاح میں ''انفجار عظیم'' (BIG BANG) کہا جاتا ہے۔

درحقیقت یہ نقطۂ انفجار جس کا حجم صفر ہو ایک ''مفروضاتی اظہار'' ہے۔ اس کے سادہ معنی ''عدم موجودگی'' (NOTHINGNESS) کے ہیں۔ یعنی پوری کائنات عدم سے وجود میں لائی گئی تھی۔

''انفجار عظیم'' (بگ بینگ) کا نظریہ واضح طور پر کائنات کے عدم سے وجود میں آنے کی نشاندہی کرتا تھا لیکن اس نظریئے کو قبولیتِ عامہ حاصل کرنے کے لئے مزید سائنسی شواہد درکار تھے۔ 1948 میں جارج گیموف (GEORGE GAMOV) نے اس مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا جیسا کہ لیمیٹر کا کہنا ہے کہ کائنات کسی ''خوفناک دھماکے'' سے وجود میں آئی تھی تو اس دھماکے نے لامحالہ اپنے پیچھے ''تابکاری'' (RADIATION) کی بھی ایک مقدار چھوڑی ہوگی اور یہ تابکاری پوری کائنات میں یکساں پھیلی ہوگی۔

گیموف کے اصولِ موضوعہ (POSTULATE) کی سائنسی توثیق ہونا ابھی باقی تھا۔ 1965 میں دو محققین ''ارنو پنزیاس'' اور رابرٹ ولسن نے متذکرہ ''تابکاری کے باقیات'' (COSMIC BACKGROUND RADIATION) دریافت کر لئے۔ یہ کسی خاص

علاقے میں مرتکز نہ تھے بلکہ کائنات کی وسعتوں میں ہر کہیں برابر برابر مقدار میں پائے گئے۔ چنانچہ جلدی محسوس کر لیا گیا کہ انفجار عظیم (BIG BANG) کی صدائے بازگشت (ECHO) ہی ہو سکتی ہے جو اس دھماکے کے وقت سے شروع ہو کر اب تک تھرتھرا رہی ہے۔ چنانچہ ان دونوں محققین کو اس دریافت پر نوبل پرائز ملا۔

1989 میں امریکہ کے خلائی تحقیق کے ادارے "ناسا" (نیشنل ایرونائکس اینڈ سپیس ایڈمنسٹریشن) نے تابکاری کے باقیات کی تحقیق کے لئے "کوبے" (COBE) سیٹلائیٹ خلا میں بھیجا۔ اس سیٹلائیٹ کے حساس سکینرز (SCANNERS) نے پنزیاس اور ولسن کے اندازوں کے درست ہونے کی توثیق کر دی۔

خلائی سیارے "کوبے" کی تصویر جس نے بگ بینگ (انفجار عظیم) کے درست ہونے کی توثیق کر دی۔

بگ بینگ کے حوالے سے کائنات کے عدم سے وجود میں آنے کی شہادت کی توثیق ہو جانے سے مادہ پرست سائنس دان لڑکھڑا گئے۔ اپنی وسیع پیمانے کی گئی ریسرچ، اپنے مفروضوں اور تصدیق طلب نظریوں کے یکے بعد دیگرے پول کھل جانے سے ان پر شدید سراسیمگی طاری ہو گئی۔ مشہور زمانہ ملحد فلاسفر انتونی فلیو (ANTONY FLEW) نے اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"اعتراف گناہ خواہ کتنا بھی شرمناک ہو روح کے لئے اچھا ہوتا ہے۔ اس لئے میں اپنے اعتراف کا آغاز یہاں سے کرتا ہوں کہ یہ ملحد (اپنے لئے واحد غائب کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے) اپنے ہم عصر ماہرین تکوینیات کے متفق الرائے ہو جانے پر سخت خلجان میں مبتلا ہے۔ کیونکہ ایسا لگتا ہے کہ یہ ماہرین اس چیز کا سائنسی ثبوت دے رہے ہیں جس کے بارے میں سینٹ تھامس نے کہا تھا کہ وہ فلسفیانہ طور پر ثابت نہیں ہو سکی۔ یعنی اس کائنات کا ایک "آغاز" تھا۔ جہاں تک اس عقیدے پر مطمئن ہونے کا تعلق ہے کہ اس کائنات کو نہ کبھی ختم ہونا ہے اور نہ اس کا کوئی آغاز تھا۔ اس امر پر آسانی سے زور دیا جا سکتا ہے کہ اس کا کھردرا وجود

اور اس کے جو بھی بنیادی خدوخال پائے جاتے ہیں وہ اپنے مقصد کی خود توضیح کر رہے ہیں۔ میں اگرچہ مانتا ہوں کہ یہ بات اب بھی درست ہے لیکن "انفجار عظیم" کی سٹوری کے موجود ہوتے ہوئے اس پر قائم رہنا تو یقینی طور پر آسان ہے اور نہ دلی اطمینان کے ساتھ اس عقیدے پر جمے رہنا ممکن ہے۔"

جیسا کہ اوپر کی مثال سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص آنکھیں بند کر کے مادہ پرستی کے عقیدے پر ایمان لے آیا ہے تو وہ اس سے کسی متصادم گواہی کو تسلیم کرنے سے ہچکچاتا رہتا ہے۔ خواہ وہ حقیقت کا اعتراف بھی کر لے وہ مادیت کے ساتھ اپنی عقیدت پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتا۔

اس کے برعکس بہت سے سائنسدان جنہوں نے وجود خداوندی سے غیر مشروط انکار نہیں کیا تھا آج تسلیم کرتے ہیں کہ اس کائنات کا خالق وہی قادر مطلق ہے۔ ایسی ایک مثال امریکن سائنسدان ولیم لین کریگ (LANE CRAIG) ہے جسے "بگ بینگ" (انفجار عظیم) پر اپنی ریسرچ کی وجہ سے شہرت ملی۔

کائنات ایک "نقطہ انجماد" کے پھٹنے سے معرض وجود میں آئی جس کا حجم صفر تھا۔ اس دھماکے کو "انفجار عظیم" یا "بگ بینگ" کہا جاتا ہے۔ یہ کائنات کے عدم سے وجود میں آنے کا ناقابل تردید ثبوت ہے جس سے مادہ پرستوں کے اس دعوے کا غبارہ پھٹ گیا کہ کائنات ازلی اور ابدی ہے۔

چنانچہ کریگ لکھتا ہے:

"اس مقولے کو اگر پیش نظر رکھا جائے کہ "جس کا اپنا وجود نہ ہو وہ کسی کو وجود نہیں دے سکتا" بگ بینگ (انفجار عظیم) کے لئے ایک مافوق الفطرت سبب درکار تھا۔ چونکہ ابتدائی کونیاتی انفرادیت (COSMOLOGICAL SINGULARITY)

ہر قسم کے زمان و مکان کے خط مستدیر (TRAJECTORIES) کی نفی کرتی ہے۔ اس لئے بگ بینگ کے لئے کوئی مادی (فزیکل) سبب نہیں ہوسکتا۔ اسے لازماً کائنات سے ماورئی اور ناقابلِ تصور طاقت کا مالک ہونا چاہیئے۔ علاوہ ازیں اسے منفرد ہستی اور شخصیت کا مالک بھی ہونا چاہیئے جو اپنی خودمختارانہ مرضی وارادہ رکھتا ہو۔ لہٰذا آفرینشِ کائنات کا سبب ایک شخصی خالق ہی ہوسکتا ہے جس نے کسی زمانۂ مدید میں اس کو اپنی آزاد مرضی سے وجود عطا کیا'' (ولیم لین کریگ: ''کائنات اور اس کا تخلیق کار..........ابتدا اور اس کی صورت گری'' 1996 جلد نمبر 17 صفحہ نمبر 18)

نظریۂ انفجار عظیم سے ایک اور نتیجہ بھی اخذ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہم پہلے تذکرہ کر چکے ہیں۔ کہ کائنات کے رازوں کو بے نقاب کرنے کے لئے وہی سائنسی اپروچ کامیاب ہوسکتی ہے جو الٰہیاتی علم وعرفان پر مبنی ہو۔ جن سائنسدانوں نے مادہ پرستانہ فلسفے سے اپنی تحقیق کا آغاز کرتے ہوئے لامحدود کائنات'' (INFINITE UNIVERSE) کا تصور پیش کیا وہ اپنی بہترین مساعی بروئے کار لانے کے باوجود اس کا کوئی ٹھوس ثبوت سامنے نہیں لا سکے۔ تاہم نظریۂ انفجارِ عظیم جس کی آبیاری میں جارج لیمیٹیر نے اپنا کردار ادا کیا اور جو الٰہیاتی حوالوں (DIVINE SOURCES) پر مبنی تھا ایک مثبت سائنسی پیش رفت تھا جس سے آفرینشِ کائنات کے حقیقی سبب (خالق حقیقی) کی نشاندہی ہوگئی۔ بالآخر سائنس نے اس حقیقت کا ثبوت پیش کر دکھایا جس کا مذہبی منابع شروع ہی سے ذکر کرتے چلے آرہے تھے۔ آج جب ہم 20 ویں صدی کی سائنس پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس کے دیگر شعبوں میں بھی ایسے شواہد ملنے کا پتہ چلتا ہے۔

کائنات میں منصوبہ بندی سے انکار کے باعث سائنس کو پہنچنے والے نقصانات

مادہ پرستوں نے نہ صرف یہ دعویٰ کیا کہ کائنات ازل سے ہی موجود ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی داغ دیا کہ کائنات میں کوئی منصوبہ بندی (DESIGN) نہیں اور اس کے پیچھے کوئی مقصد بھی (PUROPOSE) کارفرما نہیں۔ انہوں نے کہا کہ کائنات میں جو توازن و توافق اور جو نظم پایا جاتا ہے یہ بھی ایک مظہر اتفاقات ہے۔ 19 ویں صدی کے دوسرے نصف حصے کے آغاز سے دنیائے سائنس پر یہی دعویٰ مسلط رہا اور اسی نے سائنسی تحقیق کے باقیماندہ سفر کا رخ متعین کر دیا۔

مثال کے طور پر بعض سائنسدانوں نے ایک مفروضہ پیش کیا جسے "نظریہ انتشار" (CHAOS THEORY) کہا جاتا ہے۔ یہ کائنات کے اندر نظم و ترتیب کے فقدان کا دعویٰ ہے۔ اس نظریے کے علمبرداروں کا کہنا ہے کہ "انتشار سے خود بخود ہی ظہور نظم و ترتیب ہو جائے گا۔" چنانچہ اس دعوے کی تائید میں ان کی مطالعت ہوتے۔ ریاضیاتی اعداد و شمار، نظریاتی طبیعیات اور کیمیائی تجربات کی مدد سے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش ہوتی رہی ...."

یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ کائنات کا وجود ما حاصل انتشار و بے ترتیبی ہے۔"

تاہم ہر نئی دریافت "بے ترتیبی" اور "اتفاقات" کے نظریوں کی مزید تردید کرتی رہی اور ثابت کرتی رہی کہ کائنات میں زبردست ترتیب و منصوبہ بندی کارفرما ہے۔ 1960 کے عشرہ سے کی جانے والی ریسرچ مسلسل اور متواتر اصرار کرتی رہی کہ کائنات میں کمال درجے کا مادی توازن پایا جاتا ہے۔ اس کے جزئیات اس باریک بینی سے ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں کہ انہوں نے زندگی کے وجود کو ممکن بنا دیا ہے۔ یہ بدنظمی نہیں بلکہ کامل ترین نظم کا ظہور ہے۔ جوں جوں تحقیق کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا یہ حقیقت تابناک تر ہو کر سامنے آتی رہی کہ فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، اور بنیادی قوتوں (مثلاً تجاذب اور الیکٹرومیگنیٹزم، ایٹموں اور عناصر کائنات) کے تمام کے تمام قوانین کو اس طرح آپس میں منظم و مرتب کیا گیا ہے کہ بنی نوع انسان کی زندگی برقرار رہ سکے۔ سائنسدان اس غیر معمولی منصوبہ بندی کو "اصول بشری" (ANTHROPIC PRINCIPLE) کا نام دیتے ہیں۔ یہ وہ اصول ہے

جس سے کائنات کے تمام جزئیات انسانی زندگی کو ممکن بنانے کے لئے بڑی حکمت و احتیاط کے ساتھ مرتب کئے گئے ہیں۔

ان دریافتوں نے سائنسدان برادری پر مادہ پرستانہ فلسفوں کے مسلط کردہ اس مقولے کو رد کر کے اسے غیر سائنسی مغالطہ ثابت کر دیا۔ ممتاز مالیکیولر بیالوجسٹ مائیکل ڈینٹن نے اپنی کتاب "مقدر فطرت: قوانینِ حیاتیات مقصد کائنات کو کیسے اثبات کرتے ہیں۔" میں لکھا ہے۔

"20 ویں صدی کے علم فلکیات سے جس نئی تصویر کا ظہور ہوا ہے وہ پچھلے چار سو سال کے بیشتر حصے میں سائنس دان حلقوں میں مروج اس مفروضے کے لئے ایک ڈرامائی چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے کہ زندگی اس نقشہ کائنات میں محض اتفاقاً ظہور پذیر ہوئی ہے۔..........

.... جدید علم تکوینیات اور علم طبعیات نے بعینہٖ اسی قسم کے شواہد مہیا کر دیئے ہیں جن کی ماہرین مذہب فطرت کو ستر ہویں صدی میں تلاش رہی ہے مگر اس زمانے کی سائنس انہیں وہ شواہد فراہم نہیں کر سکی تھی۔"

(MICHAEL DENTON, NATURES Destiny: How the Laws of Biology Reveal Purpose in the Universe, THE NEW YORK : THE FREE PRESS, 1998, P.14/5)
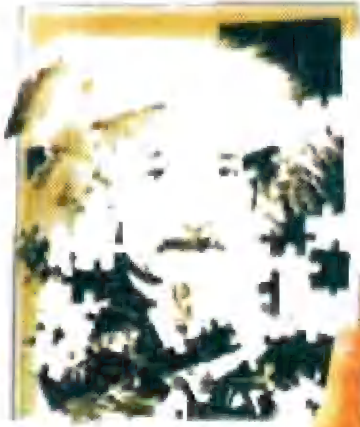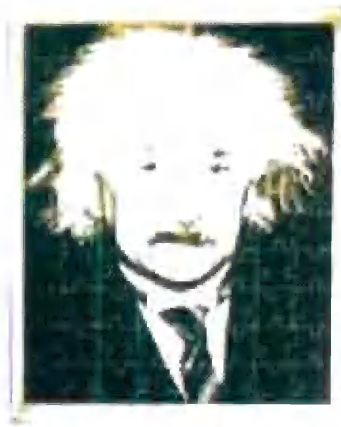
"جب ہم کوئی پیچیدہ ڈیزائن دیکھتے ہیں تو فوراً اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ زبردست ذہانت کی کارفرمائی ہے۔"

"یہاں آپ "معمہ" کی ساخت کے بکھرے ہوئے اجزا دیکھ رہے ہیں انہیں صرف ذہین ترین افراد ہی دوبارہ مرتب کر سکتے ہیں۔ اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ خدا نے کائنات کو جن نظاموں کے تحت مرتب کیا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہیں۔ یقیناً ان کا خالق لامحدود علم کا مالک ہے۔

اوپر سترھویں اور اٹھارھویں صدی کے جن ماہرین علم فطرت کا حوالہ دیا گیا ہے، یہ مذہبی عقائد رکھنے والے وہ سائنس دان تھے جو سائنسی بنیادوں پر الحاد کو باطل قرار دینے اور خدا کا وجود ثابت کرنے کے لئے کوشاں رہے تاہم جیسا کہ پچھلی سطور میں متذکرہ اقتباس میں کہا گیا ہے اس دور کے سائنسی علوم کا گھٹیا معیار ان کے ادراک کی اخذ کردہ سچائیوں (TRUTHS) کی تصدیق کرنے سے قاصر رہا اور مادیت نے اسی نارسا اور کمتر درجے کی سائنس کی مدد سے دنیائے سائنس میں اپنے پنجے گاڑ لئے۔ تاہم بیسویں صدی کی سائنس نے حالات کا رخ تبدیل کر دیا اور اس حقیقت کے حتمی شواہد پیش کر دیے کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

یہاں حقیقی طور پر قابل غور نقطہ یہ ہے کہ مادہ پرستوں کے مغالطوں کو ثابت کرنے اور ان کے اس دعوے کو باطل قرار دینے پر غیر معمولی طور پر زیادہ وقت لگ گیا کہ "کائنات کا کوئی مقصد و منصوبہ نہیں ہے۔" نظریاتی طبیعیات اور ریاضیاتی مساوات وغیرہ کی تمام تھیوریز فارمولے اور تحقیقی مطالعات بالآخر لاحاصل ثابت ہوتے اور ان پر لگنے والا وقت بالکل ضائع ہو گیا۔ جس طرح نسلی برتری پر مبنی آئیڈیالوجی نے دوسری عالمگیر جنگ (1944-1935) کے لئے راہ ہموار کی اسی طرح مادہ پرستانہ آئیڈیالوجی نے

سوشل ڈارونزم پر مبنی نظریات آمریت سے جنگ عظیم جیسی تباہی و بربادی کا سبب بنے ایسی تمام مادہ پرست نظریات نے سائنس کو بلا ضرورت گھٹاٹوپ اندھیروں میں دھکیل رکھا ہے۔

دنیائے سائنس کو گھٹاٹوپ اندھیروں میں دھکیل دیا۔

تاہم اگر سائنس دان طبقہ اپنی مساعی کی بنیاد مادیت کے مغالطوں پر استوار کرنے کی بجائے اس حقیقت پر تعمیر کرتا کہ کائنات کا خالق رب السماوات والارض ہے تو سائنسی تحقیق صحیح راستے پر گامزن ہو جاتی۔

نظریہ ارتقا کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل اور اس سے سائنس کو پہنچنے والے نقصانات

سائنس کو غلط رخ پر ڈالنے کی بے حد حق آموز مثال ڈارون کے نظریہ ارتقاء کو فروغ دینا تھا۔ اسے 140 سال قبل مطالعہ سائنس کے ایجنڈے میں شامل کر کے علم کی تاریخ کی سب سے بڑی غلطی کا ارتکاب کیا گیا۔ اس نظریے کے علمبرداروں کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں زندگی کا نمو ایک بے جان مادے کے ڈھیر سے محض اتفاقی طور پر ہوا تھا۔ وہ مزید دعویٰ کرتے ہیں کہ زندہ اجسام جو اتفاقیہ ظہور پذیر ہونے دوبارہ اتفاق ہی سے دیگر مخلوقات (CREATURES) کی صورتوں میں منتقل ہو گئے۔ اس ڈیڑھ صدی کے ایک وسطی مرحلے میں اس منظرنامے کا سائنسی جواز تلاش کرنے کے لئے اتنی زوردار سعی بروئے کار لائی گئیں کہ بے شمار وسائل ان کی نذر کر دیے گئے جن کا نتیجہ حیرت انگیز طور پر ان سائنس دانوں کی توقعات کے برعکس نکلا۔ سائنسی شواہد نے ثابت کر دیا کہ (i) ارتقا تو سرے سے ہوا ہی نہیں ہے اور یہ بھی کہ (ii) کسی نوع کی بتدریج دوسری نوع میں تبدیلی (TRANSFORMATION) کا عمل بالکل ہی خارج از امکان ہے۔ اور (iii) تمام کی تمام زندہ انواع، واضح طور پر اپنی موجودہ اشکال ہی میں تخلیق کی گئی تھیں۔

تاہم تمام مضبوط شواہد سامنے آ جانے کے باوجود علمبرداران نظریہ ارتقا انہی خطوط پر بے شمار مطالعتی تجربات کرتے رہے اور ایک کے بعد دوسری ضخیم کتب چھاپتے چلے جا رہے ہیں جو مغالطوں اور غلط فہمیوں کے انباروں کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ ارتقائی عمل کو ثابت کرنے کے لئے نئے نئے ادارے قائم کئے جا رہے ہیں۔ کانفرنسیں منعقد کی جا رہی ہیں اور ٹیلی ویژن پروگراموں کی بھی نمائش کی جا رہی ہے۔ ایک ناقابل ثبوت دعوے کی خاطر ہزاروں سائنس دانوں کا استحصال اور بے پناہ وسائل و سرمائے کا ضیاع انسانیت کے لئے بہت بڑے نقصان کا سبب بن رہا ہے۔ اگر وسائل کو مناسب سمت میں کام پر خرچ کیا جاتا

اور اتنا بھاری ضیاع سرمایہ نہ کیا جاتا تو سائنسی ترقی کے کئی کارنامے انجام پا سکتے تھے۔
دوسری جانب متعدد سائنس دانوں اور مفکرین پر نظریہ ارتقاء کا صریحاً غلط ہونا واضح ہو چکا ہے۔ مثال کے طور پر برطانوی سائنس دان مالکم مگریج کہتا ہے:

''مجھے خود بھی یقین ہو چکا ہے کہ نظریہ ارتقاء خصوصاً اس حد تک جہاں تک اس کا اطلاق کیا جا چکا ہے مستقبل کی کتب تاریخ میں ایک بہت بڑے مذاق کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ ہماری آئندہ نسلیں اس بات پر حیران رہ جائیں گی کہ ایسا بودا اور بے سروپا نظریہ اتنی آسانی اور ضعیف الاعتقادی کے ساتھ قبول کر لیا گیا۔''

(MALCOLM MUGGERIDGE, The end of Christendom, Grand Rapids: Eerdmans, 1980, p.59)

سکنڈے نیویا کے سائنسدان ''سورن لووٹرپ'' اپنی تصنیف ''ڈارون ازم: ایک مفروضے کی تردید'' میں لکھتا ہے:

''میرے خیال میں کوئی شخص اس سے انکار نہیں کرے گا کہ سائنس کی ایک پوری شاخ کا ایک غلط نظریے کو حرز جاں بنا لینا بہت بڑی بدقسمتی ہے۔ بیالوجی میں یہی کچھ ہوا۔ اب ایک عرصہ دراز ہو چکا ہے کہ لوگ ڈارون کے مخصوص ذخیرہ الفاظ ''مطابقت پذیری'' ''تقاضا انتخاب'' اور ''فطری انتخاب'' وغیرہ کے حوالے سے ارتقائی مسائل کو زیر بحث لا رہے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ فطری انتخاب کی تشریحات کے لئے بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں ——— ایسا ہرگز نہیں ہے میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ ایک دن آئے گا جب ڈارون ازم کو سائنس کی تاریخ کا سب سے بڑا دھوکہ شمار کیا جائے گا۔

(SOREN LOVTRUP, DARWINISM:Refutation of a Myth, New Yourk : Croom Helm 1987, p.422)

متعدد ارتقائی سائنس دانوں پر بھی واضح ہو چکا ہے کہ وہ جس نظریے کے پرچارک بنے ہوئے ہیں وہ حقیقت کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کے بارے میں وہ دل میں شدید خلش محسوس کر رہے ہیں۔ چنانچہ مشہور ارتقائی سائنس دان ''پال آر ارلچ'' نے مجلہ ''سائنس'' کو انٹرویو دیتے ہوئے ...... اگرچہ بالواسطہ طور پر ...... تسلیم کیا

کہ اس نظریے پر آنکھیں بند کر کے ایمان لانے سے سائنس کو شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

''اس نظریے (نظریہ ارتقا) پر بطور عقیدہ ڈٹے رہنے سے زیر مشاہدہ آنے والے امر واقعہ کی تسلی بخش وضاحت کی طرف حوصلہ افزا پیشرفت نہیں ہوگی۔''

(Paul R. Ehrlich and Richard W. Holm, Patterns and Populations, "SCIENCE" Vol 137-Aug.31,1962-p.656 - 7)

آیئے اب ہم نظریہ ارتقا کے غیر سائنسی دعوے کی حمایت میں صرف کی جانے والی مساعی پر ایک نظر ڈالیں جن پر سائنس کے نام پر بے پناہ وسائل اور بیش قیمت وقت کا ضیاع ہوا۔

غیر جاندار مادے سے تشکیلِ زندگی ''ثابت'' کرنے سے سائنسی نقصانات

زندگی کا آغاز کہاں سے ہوا؟ ایک پرندہ یا ایک زرافہ، بے جان مادوں، مثلاً ایک پتھر، پانی اور زمین وغیرہ سے کس طرح ممیز ہوتا ہے؟ اس سوال کا زمانہ قدیم سے جواب تلاش کیا جا رہا ہے مگر تجسس بڑھتا ہی چلا گیا ہے۔ اس سلسلے میں دو نظریات کو خاص طور پر شہرت حاصل ہوئی ہے۔ ایک یہ ہے کہ جاندار اور بے جان مادوں کے درمیان ایک نہایت باریک سی لائن ہے جس میں سے بڑی آسانی سے چھید کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ کہ ''بے جان'' مادے میں سے ''جان'' (زندگی) خود بخود نمودار ہو سکتی ہے۔ اسے سائنسی لٹریچر میں ''حیات از غیر حیات'' (ABIOGENESIS) کہا جاتا ہے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ زندہ اور غیر زندہ مادوں کے درمیان ایک ناقابل عبور (UNSURPASSABLE) حد واقع ہے۔ غیر زندہ مادوں میں سے زندہ مادوں کا جنم لے سکنا ناممکن ہے۔ زندگی کی ایک شکل زندگی کی کسی دوسری شکل ہی میں سے برآمد ہو سکتی

ہے۔ یہ نظریہ جسے مختصراً ''زندگی، زندگی سے جنم لے سکتی ہے۔'' کہا جاتا ہے سائنسی زبان میں بایوجینیسس (BIOGENESIS) کہلاتا ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ اول الذکر نظریے کا تعلق مادہ پرست فلسفے سے ہے جبکہ موخر الذکر نظریے کا منبع مذہبی تعلیمات ہیں۔ مادہ پرست فلسفیوں کی طرف سے ہمیشہ یہی دعویٰ کیا جاتا ہے کہ غیر جاندار اشیا، زندہ اجسام کو جنم دے سکتی ہیں۔ یونانی فلسفیوں کا عقیدہ تھا کہ زندگی کی سادہ اقسام غیر جاندار مادے میں سے مسلسل جنم لیتی رہتی ہیں۔

ان کے برعکس الہیاتی تعلیمات کا اصرار ہے کہ غیر جاندار مادوں کو زندگی عطا کرنے والی واحد ہستی خداوند کریم ہے جو خالق حقیقی ہے۔ ذیل کی دو آیات قرآنی ملاحظہ فرمایئے۔

(1) اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٩٥﴾ (سورۃ الانعام، آیت 95)

(دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا اللہ ہے۔ وہی زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور وہی مردہ کو زندہ سے خارج کرنے والا ہے۔ یہ سارے کام کرنے والا تو اللہ ہے پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو)

(2) لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢﴾ (سورۃ الحدید آیت 2)

(زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک وہی ہے۔ زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)

قرون وسطیٰ میں جب لوگوں کا قوانین فطرت کے بارے میں علم بہت محدود ہوا کرتا تھا ''حیات از غیر حیات'' کا تصور ان کے بعض ناقص مشاہدات کی وجہ سے رواج پا گیا تھا۔ لوگوں نے کھلے پڑے ہوئے گوشت میں سے ''لاروا'' (MAGGOTS) کو برآمد ہوتے دیکھا تو سمجھ بیٹھے کہ یہ خود بخود (SPONTANEOSLY) پیدا ہو گیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرض کر لیا کہ چوہے بھی اسی ''خودکار عمل'' سے گودام میں ذخیرہ کی ہوئی گندم میں سے جنم

لیتے ہیں۔ اس نظریے کو "نظریہ از خود تولید" (THEORY OF SPONTANEOUS GENERATION) بھی کہا جاتا ہے۔ یہ 17ویں صدی میں بے حد مقبول تھا۔ تاہم دو نامور سائنسدانوں کے تجربات نے اس نظریے کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا۔ ان میں ایک سائنسدان فرانسکو ریڈی (FRANCISCO REDI) تھا۔ اس نے 1668 میں تجربات کر کے ثابت کر دیا کہ گلے سڑے ہوئے گوشت میں دکھائی دینے والے "لاروے" "از خود" پیدا نہیں ہوتے بلکہ اس گوشت پر بیٹھنے والی مکھیوں کے انڈوں میں سے برآمد ہوتے ہیں۔ اس انکشاف پر "حیات از غیر حیات" کے نظریے کے حامی بوکھلا اٹھے۔ اور فوراً دوسرا موقف اختیار کر لیا اور کہا کہ سڑنے والے گوشت میں سے لاروا جیسے بڑے اجسام نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے غیر مرئی اجسام (MICROBES) جنم لیتے ہیں۔ یہ بحث مباحثہ اگلے دو سو سال خوب زوروں پر رہا۔ دوسرا اہم سائنسدان جس نے اس نظریے کی جڑ ماری فرانسیسی ماہر حیاتیات لوئی پاسچر (LOUIS PASTEUR) تھا۔ اس نے اپنے تجربات کے ایک طویل سلسلے میں اس کا عملی مظاہرہ کیا کہ متذکرہ غیر مرئی اجسام "مائیکروبز" ...... غیر زندہ مادوں میں سے بھی جنم نہیں لے سکتے۔ اس نے اپنے تجربات کا حاصل ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

> "کیا مادہ از خود وجود پا سکتا ہے۔ بالفاظ دیگر کیا اجسام اپنے والدین کے بغیر اور اپنے آباؤ اجداد کے بغیر دنیا میں آ سکتے ہیں؟ ...... یہ سوال حل طلب ہے ...... کوئی ایسا معروف قرینہ نہیں پایا جاتا جس میں کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکے کہ خورد بینی اجسام، جرثوموں کے بغیر وجود میں آئے ہیں۔"

(SIDNEY FOX, KLAUS DOSE : MOLECULAR EVOLUTION AND THE ORIGIN OF LIFE, New York MARCEL DEKKER 1977 p.2)

ریڈی اور پاسچر میں ایک چیز مشترک تھی اور وہ یہ کہ دونوں وجود باری تعالیٰ کے قائل تھے اور تمام موجودات کا اسی کو خالق مانتے تھے۔ ان کے اس عقیدے نے "حیات از غیر حیات" کے مفروضے کو لایعنی قرار دینے میں کلیدی کردار ادا کیا لیکن ڈارون اور ہیکل (HACKEL) جیسے مادہ پرست حامیانِ ارتقا کے زیر اثر کئی سائنسدان "حیات از غیر حیات" قسم کے مفروضوں کے سحر میں مبتلا رہے۔ جبکہ صحیح بصیرت کے ساتھ تحقیق کرنے والے سائنسدان اس مفروضے کے برعکس یعنی "حیات از حیات" (BIOGENESIS) کے قائل ہو گئے۔

قرون وسطیٰ کے سائنسی علم کے مطابق لوگوں نے یہ مفروضہ قائم کر رکھا تھا کہ بے جان اجسام سے جاندار جنم لیتے ہیں۔ مثلاً وہ سمجھتے تھے کہ اردگرد پڑے ہوئے گوشت میں سے از خود پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس مفروضے پر پہلے ایف ریڈی نے ضرب کاری لگائی اور بعد میں لوئی پاسچر کی دریافتوں نے اسے ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا۔

تاہم حامیانِ نظریہ ارتقاء اس روز روشن کی طرح عیاں حقیقت کو جھٹلانے پر ہی مصر رہے۔ مادہ پرستانہ فلسفے کے ساتھ اندھی عقیدت انہیں ایک اور صدی تک اس سعی لاحاصل میں الجھائے رکھے گی۔ دو مادہ پرست سائنسدانوں الیگزینڈر اوپیرن (ALEXANDER OPERIN) اور جے بی ہیلڈین نے "کیمیائی ارتقاء" کا

تصور پیش کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ "حیات از غیر حیات" کا عمل کسی مختصر عرصے میں رونما نہیں ہوا بلکہ طویل عرصے پر پھیلا ہوا تھا۔ یہ تصور کئی سائنسی قوانین سے متصادم ہے۔ جن میں تھرموڈائنامکس کا دوسرا قانون سرفہرست ہے۔ ان کے اس دعوے نے سائنسی دنیا کو ایک اور تعطل (Stalemate) سے دوچار کر دیا۔ اس طرح قیمتی دماغوں کا مزید وقت ضائع ہو گیا۔

لوئی پاسچر

صدی بھر درجنوں سائنسدان "نظریۂ کیمیائی ارتقاء" کی حمایت میں تجربے کرتے رہے اور نئے نظریات کے ذریعے اس کی تائید حاصل کرنے کے لئے تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ بڑی بڑی لیبارٹریوں، عظیم تحقیقی اداروں اور یونیورسٹی ڈویژنوں کو حرکت میں لایا گیا مگر ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ معروف ارتقائی سائنسدان پروفیسر کلاز ڈوز (KLAUS DOSE) نے جو جوہنز گٹنبرگ یونیورسٹی میں انسٹیٹیوٹ آف بائیوکیمسٹری کا ڈائریکٹر تھا اعتراف کیا کہ "غیر زندہ" اجسام میں سے "زندہ مادوں" کے جنم لینے کے دعوے کی حمایت میں شواہد تلاش کرنے کی مساعی بے نتیجہ ثابت ہوئی ہیں۔ اس کے اپنے الفاظ میں:

"کیمیائی اور سالماتی (MOLECULAR) ارتقاء کے شعبوں میں زندگی کی ابتداء کے بارے میں تیس (30) سال سے زائد عرصہ کے تجربات سے کرۂ ارض پر آفرینش حیات کے مسئلے کی وسعتوں کا اندازہ تو ہو گیا ہے لیکن وہ مسئلہ حل نہیں ہوا۔ اس شعبے میں کئے گئے بڑے بڑے تجربات اور اہم مباحث پر تمام گفتگو میں بے نتیجہ رہیں یا اعتراف لاعلمی پر ختم ہو گئیں۔" (کلاز ڈوز "دی اوریجن آف لائف۔ جوابات کم، سوالات زیادہ"۔ انٹر ڈسپلنری سائنس ریویو جلد نمبر 14۔ 13 1988 صفحہ 348)

یعنی وہ "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کی کیفیت سے دوچار ہوتے رہے۔ جس نظریے کی "حقانیت" کی تلاش کی جاتی رہی اس نے مزید کئی سوالیہ نشانات کھڑے کر دیئے کہ اگر تم وہی کچھ ثابت کرنا چاہتے ہو جو تم نے فرض کر رکھا ہے تو تمہیں مزید سوالوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اگر سائنسی دنیا "حیات از غیر حیات" جیسی مادہ پرستانہ فکری کو

اپنے اوپر مسلط نہ کرتی تو اس کی وہ کوششیں جو "کیمیائی ارتقاء" کے نام پر کی گئیں، دوسرے میدانوں میں صرف ہوتیں تو اس سے زیادہ ثمر آور ثابت ہو سکتی تھیں۔ اگر سائنس دان برادری اس حقیقت کے اعتراف سے اپنے کام کا آغاز کرتی کہ زندگی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور صرف وہی زندگی دینے کی قدرت رکھتا ہے تو اس تمام ضائع شدہ وقت کو بچایا جا سکتا تھا اور خطیر سرمائے کے ضیاع سے بھی بچا جا سکتا تھا۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا کہ سائنس قدیم یونانی خرافات کو درست ثابت کرنے پر اتنی خواری نہ کرتی اور انسانیت کے لیے مفید تحقیق پر توجہ صرف کرتی۔

آج کی سائنس دان برادری نے اپنے تجربات کے ذریعہ ثابت کر دکھایا ہے کہ غیر زندہ مادے اتفاقات کے ذریعے خود کو اس طرح منظم منضبط نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے جیسے دیگر مادوں کے اشتراک سے اعلیٰ اور کامل درجے کے خلیوں کو وجود میں لائیں۔ اور یہ بات بھی واضح ہو چکی ہے کہ ہمارے گردوپیش میں پائی جانے والی زندگی کی لاکھوں اقسام خلیوں کے اتفاقاً یکجا ہو جانے کی وجہ سے تشکیل نہیں پا گئیں، جیسا کہ نظریہ ارتقا کے علمبرداروں نے فرض کر رکھا ہے۔

گلاب کا پھول، مور، شیر، یا چیونٹی یا کوئی بھی مخلوق، محروم شعور خلیوں یا بے جان اینٹوں کے امتزاج یا مرضی سے نہیں بن گئی ہے۔

ماہیت اشیاء جاننے کے لئے محو تحقیق سائنس دان نے کسی طرح بھی ان بے شعور اینٹوں کے مشترکہ فیصلوں کے نتیجے میں زندگی نہیں پائی۔ محروم شعور اینٹوں کے لئے باشعور انسان بنانا بالکل ناممکن بات ہے۔

قرآن نے سینکڑوں سال پہلے انکشاف کر دیا تھا کہ خدا زندگی کو "عدم" سے "وجود" میں لایا ہے۔ زندگی عطا کرنا کسی اور کی نہیں بلکہ صرف اسی کی قدرت میں ہے۔ اگر سائنس نے انسان کو خدا کے بتائے ہوئے ان حقائق کے مضمرات پر غور کیا ہوتا تو وہ اتنا طویل عرصہ بے نتیجہ تحقیقات پر ضائع نہ کرتی۔

"ارتقائے انواع" کے دعوے کو ثابت کرنے کی کوششوں کے نقصانات

کرۂ ارض پر لاکھوں زندہ اجسام پائے جاتے ہیں جن کی انواع ایک دوسری سے متعدد پہلوؤں سے مختلف ہیں۔ مثال کے طور پر گھوڑوں، پرندوں، سانپوں، تتلیوں، مچھلیوں، بلیوں، چمگادڑوں، کیڑوں مکوڑوں، چیونٹیوں، ہاتھیوں، مچھروں، شہد کی مکھیوں، ڈولفنز، شارکس، جیلی فش اور اونٹوں پر غور کیجئے۔ یہ جاندار ایک دوسرے سے نمایاں

خصوصیات، عادات، شکار کے طریقوں، اپنے دفاعی حربوں، غذائی عادتوں اور بچے نسل کے طریقوں کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں۔ پھر یہ کیسے معرض وجود میں آئے۔؟

اس سوال پر غور کرنے کے لئے جو شخص بھی اپنی عقل سے کام لیتا ہے اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ انہیں باقاعدہ "ڈیزائن" کیا گیا ہے۔ یعنی ایک منصوبے کے تحت پیدا کیا گیا ہے۔ اور ہر ڈیزائن ایک ڈیزائنر کی موجودگی کا پتہ دیتا ہے جس نے انہیں پیدا کیا۔ زندہ اجسام فطرت میں پائی جانے والی دیگر مثالوں کی طرح خدا کے وجود کی گواہی دیتے ہیں۔

اس سچائی سے ہمیں مذہب نے آگاہ کیا ہے۔ ہمیں قرآن بتاتا ہے کہ یہ زندہ اجسام کس طرح وجود میں آئے۔ تمام زندہ انواع کو خدا نے الگ الگ وجود عطا کئے۔ اس نے اپنی بے مثال قدرت تخلیق اور زبردست علم و حکمت سے ان سب مخلوقات کو متنوع اشکال و خصوصیات عطا فرمائیں۔ اس طرح بنی نوع انسان کو اپنی زبردست طاقت اور علم و بصیرت سے مطلع کیا۔ بعض آیت قرآنی میں زندہ چیزوں کا یوں ذکر آتا ہے:۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِن دَابَّةٍ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ) (سورۃ الشوریٰ آیت 29)

اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش اور یہ جاندار مخلوقات جو اس نے دونوں جگہ پھیلا رکھی ہیں۔ وہ جب چاہے انہیں اکٹھا کر سکتا ہے)

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّن مَّاءٍ فَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلٰى بَطْنِهِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلٰى أَرْبَعٍ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

(سورۃ النور آیت 45)

"اور اللہ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا۔ کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

"اور اس نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا۔ کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر۔ جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

تحقیق کی حقیقت سے آگاہی رکھنے والے سائنس دانوں نے تحقیقی مقاصد کے لئے اس کام کو مختلف شعبوں میں تقسیم کر دیا۔ مثلاً بیالوجی (حیاتیات) اناٹومی (تشریح الاعضا) اور پیلیونٹالوجی (قدیم حیاتیات) وغیرہ۔ ان میں انتہائی قابل سائنسدان کارل لینیس (CARL LINNAEUS) جارجز کووئیر (GEORGES CUVIER) گریگور مینڈل (GREGOR MENDEL) اور لوئی اگاسیز (LOUIS AGASSIZ) شامل تھے جنہوں نے اس شعور کے ساتھ مختلف شعبوں میں تحقیقی کام کیا کہ تمام زندہ انواع خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اول الذکر سائنسدان کارل لینیس نے تمام زندہ چیزوں کو واضح زمروں میں تقسیم کیا اور اسے اصول صنف بندی (TAXONOMY) کا بانی مانا جاتا ہے۔ جارجز کووئیر علم حجرات اور تقابلی تشریح الاعضا کا بانی۔ گریگور مینڈل جینیات (GENETICS) کا بانی اور ماہر تھا۔ جبکہ لوئی اگاسیز 19 ویں صدی کا عظیم ترین امریکی ماہر حیاتیات تھا۔

پھر چارلس ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے متعارف ہونے کے بعد دنیائے سائنس نے یہ ثابت کرنے کی دوڑ شروع کر دی کہ "مختلف انواع ایک دوسری میں سے جنم لیتی ہیں" اس طرح سائنسدانوں نے خود کو سعی لاحاصل میں مصروف پایا۔ متحجرات کے لئے دنیا بھر میں کھدائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور سائنس دان پرانے ڈھانچوں پر اس نقطہ نظر سے تحقیق کرنے لگے کہ انہیں ارتقا کے سفر کی درمیانی کڑیاں مل جائیں جو تاریخ کے کسی دور میں بھی موجود نہیں تھیں۔

چنانچہ ایک نوع سے دوسری نوع تک سفر کی وضاحت کے لئے فرضی ڈھانچے اور مناظر وضع کئے گئے۔ یہ مناظر سائنسی مجلات میں شائع کئے گئے جنہیں بالآخر سکولوں میں بھیج دیا گیا تاکہ نئی نسل کو پڑھائے جا سکیں۔ ان میں سے بعض مناظر کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ یہ بتایا جا سکے کہ ارتقا کے علمبرداروں نے سائنس کو کس طرح اپنے تخیلات (FANTASIES) کے تابع بنایا۔

ان میں سے ایک کہانی خزندوں یعنی پیٹ کے بل رینگنے والے جانوروں مثلاً چھپکلیوں، سانپوں اور مگرمچھوں (REPTILES) کے اپنے بچوں کو دودھ پلانے والے جانوروں (MAMMALS) میں تبدیل ہونے سے متعلق گھڑی گئی ہے:-

”ٹھنڈے علاقوں کی چھپکلیوں اور سانپوں نے اپنے جسموں کو گرم کرنے کا ایک طریقہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔ جب سردیاں بڑھ جاتیں تو ان کے جسموں سے پیدا ہونے والی حرارت کو زائل ہونے سے بچانے کے لئے ان کے چھپرے (SCALES) چھوٹے اور نوکدار ہوتے ہوتے پشم (FUR) میں تبدیل ہونے لگے۔

”پسینہ بھی جسم کے ٹمپریچر میں باقاعدگی پیدا کرنے کا ذریعہ تھا۔ کیونکہ یہ ضرورت پڑنے پر پانی کو بخارات بنا کر اڑا دیتا اور جسم میں ٹھنڈک پیدا ہو جاتی تھی۔ لیکن اتفاقاً ان کے بچے غذائیت کے لئے ماں کے پسینے کو چاٹنے لگے۔ اس پر ان کے پسینے کے بعض غدودوں نے زیادہ غذائیت اور قوت کی حامل رطوبتیں خارج کرنا شروع کر دیں جو رفتہ رفتہ دودھ بن گئیں۔ اس طرح ابتدائی دور کے ممالیہ کے بچوں نے بہتر زندگی کا آغاز کر دیا۔“

کارل لینئیس

کارل لینئیس
تمام زندہ اجسام کو تخلیق خداوندی مانتا
تھا اس نے پہلی بار زندگی کی تمام
اقسام کو واضح زمروں میں تقسیم کیا
جس کی وجہ سے بانی زمرہ بندی
(THE FOUNDER
OF
TAXONOMY) قرار پایا
ہے
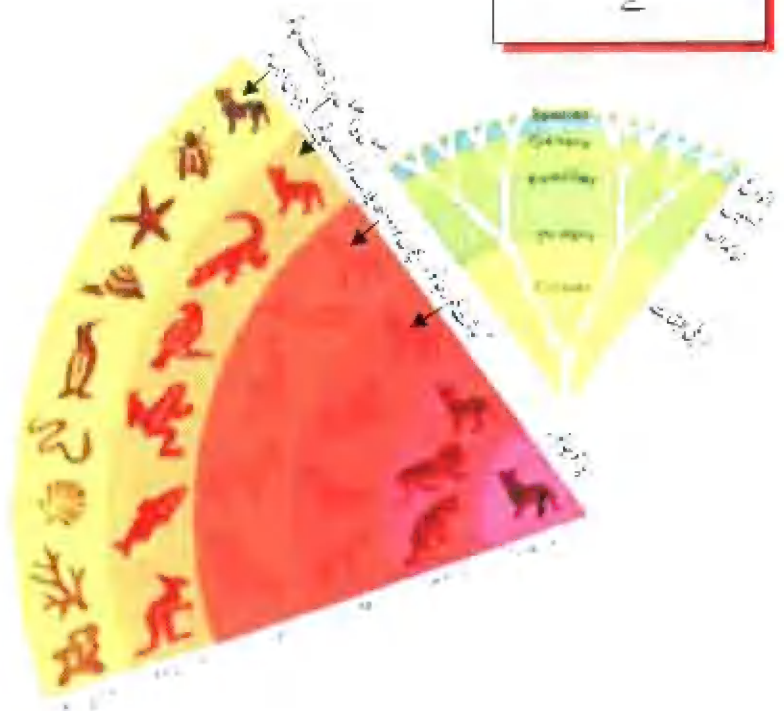
اس ارتقائی مفروضے کو تقویت پہنچانے کے لئے ہزاروں سائنسدان پسینے کے دودھ بن جانے اور جلیوں کے پشم بن جانے کے دعوے کا سائنسی ثبوت مہیا کرنے کے لئے اپنا سر کھپاتے رہے۔ حالانکہ متذکرہ تبدیلیاں ناممکن الوقوع ہیں۔ ماں کا دودھ جس میں بچے کی ضرورت کے تمام اجزا بدرجہ اتم موجود ہوتے ہیں وہ پسینے سے کسی صورت میں نہیں بن سکتا۔

چھپکلی کی نسل سے جانوروں کے پشم میں تبدیل ہونے کا دعویٰ نئی سائنسی دریافتوں سے متصادم ہے۔ جس کے شواہد میں ایک مزید بھی ہے کہ چھپکلیوں کے کھپرے اور دودھ پلانے والے جانوروں کی پشم میں نمایاں فرق ہے۔

پرندوں کے پر خزندوں کے چھلکوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ان کی ترکیبی خاصیتیں بڑی پیچیدہ ہوتی ہیں لیکن اڑان کے لئے بے حد موزوں ہوتی ہیں۔

ماں کا دودھ بچے کی غذائی ضرورتوں کے عین مطابق بنتا ہے اور اس کی مرحلہ وار ضرورتوں کے مطابق اس میں رد و بدل بھی ہوتا رہتا ہے۔ مثال کے طور پر جس روز بچے کا جسم پوٹاشیم مانگتا ہے اس دن ماں کے دودھ میں پوٹاشیم کی مقدار بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح دیگر اجزائی طلب کا جواب بھی ماں کے دودھ کے ذریعہ ملتا رہتا ہے۔ یہ انتظام ایک خاص

حکمت اور منصوبے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اندھے بہرے اتفاقات سے بننے والی چیزوں میں ایسا اہتمام موجود ہونا ممکن نہیں ہوتا۔

اسی طرح مندرجہ بالا دعوے کا دوسرا حصہ یعنی چھپکلیوں اور مگرمچھوں کے سکیلز کا دودھ پلانے والے جانوروں کی کھال کے بالوں (پشم) میں تبدیل ہو جانا بھی واضح طور پر سائنسی حقائق کے منافی ہے۔ سکیلز اور پشم بالکل مختلف قسم کی ساخت رکھتے ہیں۔

(۱) پشم (بال) غدودی ہوتی ہے یعنی ایک رقیق مادے کی تھیلی (SAC) میں سے نمو اور افزائش پاتی ہے جبکہ سکیلز جلد کے اندر پلیٹ نما ساخت رکھتے ہیں۔ ان دونوں کے نشوونما پانے اور جھڑنے کے طریقے بھی ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہوتے ہیں۔ اس معاملے میں بھی ان کے مابین کوئی چیز مشترک نہیں۔

(2) پشم کے سکیلز میں سے برآمد ہونے کے کوئی سائنسی شواہد نہیں ملتے۔ علمبرداران نظریہ ارتقا کے پاس اسے ثابت کرنے کے لئے کوئی متحجراتی شواہد موجود نہیں ہیں۔ جیسا کہ وہ اس تبدیلی کے حق میں کوئی منطقی میکانیت بیان نہیں کر سکے۔

چھپکلی اور مگرمچھ نسل کے جانوروں کے دودھ پلانے والے جانوروں میں تبدیل ہو جانے کی کہانی نہ صرف غیر سائنسی ہے بلکہ اس نظریئے کے ہر دعویدار کے پاس اپنی الگ کہانی ہے جو ایک سے ایک بڑھ کر مضحکہ خیز ہے۔ اسی طرح ڈینو سارز کے پرندوں میں تبدیل ہو جانے کے بارے میں بھی کئی کہانیاں گھڑی گئیں۔ ایک کہانی کے مطابق مکھیوں نے ڈینو سارز کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ وہ انہیں اڑانے کے لئے ان کا تعاقب کرتے اس طرح تیز دوڑنے کی کوشش کرکے وہ اتنے تیز ہو گئے کہ اڑنے لگے۔ دوسری کہانی میں کہا گیا کہ چند ڈینو سارز غذا کی تلاش میں ایک درخت پر سے چھلانگ لگا کر دوسرے درخت پر پہنچنے کی کوشش کرتے رہے جس سے ان کے پر نکل آئے۔ اور سائنس تو ان علمبرداران نظریہ ارتقا کے ہر الٹے پلٹے کو "ثابت" کرنے کی عادی تھی۔ چنانچہ سائنس دانوں کی ایک بڑی تعداد نے یہ تحقیق شروع کر دی کہ ڈینو سارز کے سکیلز جانوروں جیسے پروں میں کیسے تبدیل ہوئے ہوں گے۔ معروف علمبردار ارتقا اور ماہر علم الطیور ایلن فیڈوکشیا (ALAN FEDUCCIA) نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اسی تحقیق کی نذر کر دیا۔ اس نے ڈینو

سارز اور پرندوں کے درمیانی ”کڑی“ (LINK) کی تلاش پر 25 برس صرف کر دیے اور بالآخر اس نے ان لفظوں میں اعتراف ناکامی کیا۔

”تو میں نے 25 برس تک پرندوں کی کھوپڑیوں کا مطالعہ کیا مجھے ان میں کسی قسم کی مشابہت دکھائی نہیں دی۔ بالکل نہیں۔ پرندوں کو دو ٹانگوں والے گوشت خور ڈائنو سارز (THEROPODS) کی اگلی نسل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تو اس سے 20 ویں صدی کے ماہرین قدیم حیاتیات کے لئے بہت سی الجھنیں پیدا ہو جائیں گی۔“

ان سائنس دانوں کی من گھڑت کہانیوں کا سلسلہ یہیں تک محدود نہیں رہا۔ چنانچہ ڈاکٹر کولن پیٹرسن نے اعتراف کیا:

”لا تعداد کہانیاں وضع کی گئی ہیں جو ایک دوسری سے بڑھ کر تخیلاتی ہیں کہ زندگی کی تاریخ کیا رہی ہوگی۔“

(COLIN PATTERSON, Harper's, February, 1984, p.60)

علمبرداران نظریہ ارتقا نے ایک اور مضحکہ خیز دعویٰ یہ کیا کہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے والے سمندری جانور ممالیہ (MAMMALS) وہیلز اور ڈولفنز وغیرہ نے ان ریچھوں سے ارتقا پایا ہے جو تیرنا پسند کرتے تھے۔ اپنی اس پرواز تخیل کو سہارا دینے کے لئے انہوں نے ”نصف ریچھ/ نصف وہیل“ مخلوق کی کہانیاں گھڑیں حتیٰ کہ ”پیادہ وہیلز“ (WALKING WHALES) کا تصور بھی دیا۔ یعنی کسی زمانے میں وہیلز خشکی پر چہل قدمی کیا کرتی تھیں۔

کالن پیٹرسن
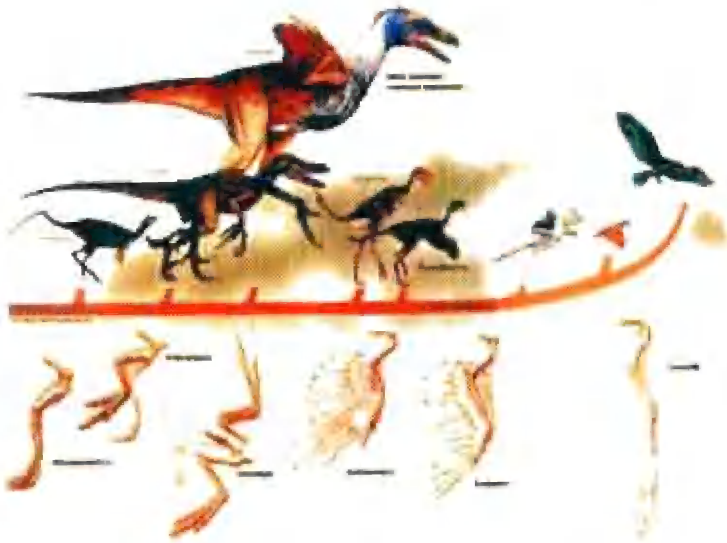
ماہرین ارتقا اپنے بے ہودہ نظریات وضاحت کرنے کے لئے جو فرضی خاکے پیش کرتے رہتے ہیں ان میں ایک یہ خاکہ بھی ہے جس میں ڈینو سارز کے "پر" نکلنے کے مراحل دکھائے گئے ہیں۔

ارتقا کو ماننے والوں کو پوری آزادی ہے کہ وہ جیسے چاہیں تصورات کے گھوڑے دوڑایا کریں لیکن اصل مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے مفروضوں کو ثابت کرنے کے لئے سائنسی دنیا کے وسائل اور اس کا بیش قیمت وقت برباد کر رہے ہیں جس پر انہی میں سے ایک اور معروف سائنسدان پیری پال گریسے نے کہا۔

"روز روشن میں خواب دیکھنے سے روکنے کے لئے کوئی قانون نہیں ہے لیکن سائنسدانوں کو یہ زیب نہیں دیتا"

(PIERRE- P.GRASSE, Evolution of Living Organisms, New York, ACADEMIC PRESS, 1977, p.103)

سائنسدانوں نے اگر ڈاروِن ازم جیسے غلط مفروضات پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھنا نہ چھوڑا تو ان کا قیمتی وقت ایسے ہی فضول مشغلوں کی نذر ہی ہوتا رہے گا اور اگر انہوں نے تخلیق کی حقیقت کو تسلیم کر لیا تو اس سے نہ صرف ان کا وقت بچے گا بلکہ سائنس کی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹیں بھی دور ہو جائیں گی جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ تمام زندہ اجسام کو

خدا نے عجیب و غریب تخلیق فرمایا ہے۔ اس نے نہ صرف انہیں پیدا کیا بلکہ ان کی جسمانی خصوصیات، کھانے پینے کی عادات، شکار کے طریقے، اپنے دفاع کی تدابیر اور اپنے چھوٹے بچوں کی پرورش وغیرہ کا شعور بھی عطا کر دیا۔ ان مخلوقات کی زندگی اور زندگی گزارنے کے طریقوں کے درمیان کامل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس امر کو تحقیق کا موضوع بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ یہ ہم آہنگی اور توافق اتفاقاً کیسے ممکن ہو گیا۔ یہ سب کچھ ازل سے طریقے سے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔ یہ اس قادر مطلق خالق و مالک اور حکیم و دانا کی اپنی تدبیر کاری ہے۔ لہٰذا اس پہلو سے تو اس پر تحقیق کرنا مفید اور نتیجہ خیز ہو سکتا ہے کہ یہ حقائق کیا ہیں اور ان کی تفصیل کیا ہے؟ لیکن خالق کو نظر انداز کر کے مفروضات میں مغز کھپائی کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ خالق حقیقی کے کرشموں پر تحقیق کرنے سے ہمیں اس کی بہتر معرفت حاصل ہوگی جس نے ہماری حیات اور ساری کائنات کو وجود بخشا۔

تبدیلی توارث کا چیستان
(MUTATION IMPASSE)

نظریہ ارتقا کا ایک اور دعویٰ "مفید تبدیلی توارث" تھا۔ اس سے مراد وہ تبدیلیاں ہیں جو کسی وجود کے تخلیقی یا تولیدی نقشے (GENETIC CODE) میں تابکاری یا کیمیائی مادے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس نظریے کے علمبرداروں کا دعویٰ ہے کہ جانداروں نے "عمل تبدیلی توارث" کی وجہ سے ارتقا پایا۔ لیکن حقیقت حال تو یہ ہے کہ یہ عمل تو ہمیشہ ضرر رساں ہوتا ہے۔ یہ جانداروں میں بدنظمی و بد اطواری کے سوا کچھ بھی پیدا نہیں کرتا۔ سانحہ چرنوبل اس کی جدید ترین مثال ہے۔ اس روسی ری ایکٹر میں تابکاری چھوٹ نکلنے کا نتیجہ شدید تباہی کی صورت میں نکلا تھا۔ یہ تبدیلی توارث ہی تھی۔ اس کے بعد کے اثرات اس صورت میں برآمد ہوئے کہ ہزاروں لوگ لیوکیمیا (خون میں مفید ذرات کی بہتات) بلڈ کینسر میں مبتلا ہو گئے اور ہزاروں بچے معذور پیدا ہوئے۔

تبدیلی توارث کے منفی اثرات کے باوجود ڈارونیت کے علمبرداروں نے ایک اور پینترا بدلا۔ انہوں نے "ارتقائی میکنزم" کے دو تصورات پیش کر دیے جن میں سے ایک کو

مضر تبدیلی تواریث کا نام دیا جو نقصان دہ ہے۔ اور دوسرے ایک تصور کو "مفید تبدیلی تواریث" قرار دیا جس کے ذریعے جاندار بقول ان کے ترقی کی منزلیں طے کرتے ہیں۔ تاہم جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں حقیقت یہی ہے کہ تبدیلی تواریث ہمیشہ اور ہر صورت میں ضرر رساں ہوتی ہے۔ یہ ارتقا کا ہرگز ذریعہ نہیں بنتی۔

اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے ارتقا کے علمبرداروں نے مصنوعی تبدیلی تواریث کے ماڈل تیار کیے اور ان سے حسب خواہش نتائج حاصل کرنے کے لیے مکھیوں پر بڑی محنت کر کے ان کا بار بار مشاہدہ کرتے رہے۔ انھوں نے فروٹ کی مکھیوں کو تبدیلی تواریث کے عمل سے بار بار گزارا تاکہ ان کے تولیدی ضابطے میں کوئی ترقی دیکھیں لیکن اس میں انھیں بری طرح ناکامی ہوئی۔

فروٹ کی مکھی پر سالہا سال تبدیلی تواریث کے تجربے کیے گئے لیکن اس کی نسل میں بہتری نہ آئی ... اس طرح ان کی آخری امید پر بھی پانی پھر گیا۔

یہ جسمانی نقص تبدیلی توارث کی ضرر رسانی کی ایک مثال ہے۔ بے سمت تبدیلی کسی ساخت کے لئے باعث نقصان ہوتی ہے۔

ارتقاء کے ایک مشہور دعویدار مائیکل پٹمین نے وسیع پیمانے پر کئے جانے والے ان بے سود تجربات کے بارے میں کہا:

''مارگن گولڈشمٹ ملر اور دیگر ماہرین توالد و تناسل فروٹ کی مکھی کی نئی نسلوں کو ان تجربات کی خاطر سخت ترین حالات میں سے گزارتے رہے ہیں۔ بعض نسلوں کو سخت گرمی میں بعض کو شدید سردی میں بعض کو روشنی میں اور بعض کو گھپ اندھیرے میں رکھا۔ جبکہ بعض پر کیمیکلز کا چھڑکاؤ کیا گیا اور بعض کو تابکاری میں سے گزارا گیا۔ ان میں ہر قسم کی تبدیلیاں آئیں بعض عملاً معمولی سی تھیں اور بعض شدید طور پر مضر ثابت ہوئیں۔ کیا یہ مصنوعی ارتقاء تھا؟ نہیں ایسا نہیں۔ بعض سخت جان قسم کی مکھیاں اس مصنوعی ارتقاء سے بچنے کے لئے بوتلوں سے باہر رہ گئیں۔ ان کی پھر پرورش کی گئی۔ ان میں سے بعض مر گئیں یا بانجھ پائی گئیں یا ان میں وحشیانہ رجحان پیدا ہو گیا۔''

(MICHAEL PITMAN, Adam and evolution, LONDON , RIVER PUBLISHING, (1984,p70)

ایک اور شہرت یافتہ علمبردار ارتقاء گورڈن ٹیلر نے بھی کہا ہے کہ تبدیلی توارث کے تجربات پر 50 قیمتی سال ضائع کر دیئے گئے ہیں:۔

''دنیا بھر میں ہزاروں مکھی پال تجربات کرتے کرتے پچاس سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے۔ اور مکھیوں کی کوئی بہتر نوع ابھرتی ہوئی نہیں دیکھی گئی اور نہ ہی کوئی انزائم پائے گئے۔''

(GORDON TAYLOR, The Great evolution Mystery, New York Harper And Row, 1983,p.34-38)

دیگر سائنسی شعبوں میں بھی ارتقاء سے متعلقہ دلائل ان سے زیادہ مختلف نہیں تھے۔ تاہم علمبردارنِ ارتقا ان سب مشاہدات کے باوجود ڈارون ازم کی پرجوش وکالت کرتے رہے اور پھر اپنی اس ضد کو "سائنسی استقامت" قرار دیتے رہے۔ حالانکہ یہ حضرات جو کچھ کر رہے ہیں یہ سائنسی استقامت کی ذیل میں نہیں بلکہ سائنس کی ترقی میں بے جا رکاوٹ کی ذیل میں آتا ہے۔

متحجرات کا کھینچا تان (FOSSIL IMPASSE)

نظریہ ارتقاء پر تضیعِ اوقات کی ایک اور مثال جس نے سائنس کو بند گلی میں دھکیل دیا متحجرات (FOSSILS) پر ایک خصوصی پہلو سے تحقیق کرنا تھی۔ اس سے سائنس اور خاص طور پر علم قدیم حیاتیات (PALEONTOLOGY) کو خاصا نقصان پہنچا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس شعبے یعنی قدیم حیاتیات کے مطالعہ سے روئے زمین پر زندگی کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے لیکن نظریہ ارتقا کے بارے میں پہلے سے گھڑے گھڑائے تصورات نے متحجرات کے بارے میں تحقیق پر منفی اثرات مرتب کئے اور سائنس دانوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیا۔ بالخصوص آفرینش انسان پر تحقیق کرنے والے ماہرین قدیم حیاتیات طویل عرصے تک کشمکش و پیچ میں مبتلا رہے۔ اس مفروضہ "نصف بندر اور نصف انسان" کی جستجو میں رہنا وقت کو بے دردی سے ضائع کر دینے کے مترادف تھا۔

دو مشہور ماہرین، رچرڈ لیکی اور ان کے والد جو سال با سال شعبہ حیاتیات قدیم میں ارتقا کے شواہد تلاش کرتے رہے۔ ان کی زندگیوں کا بیشتر حصہ اسی کوشش کی لاحاصلی میں بیت گیا پھر بھی انہیں معلوم نہ تھا کہ وہ کس چیز کے متلاشی ہیں؟

یہاں یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ تحجرات کی تلاش کے لئے کھدائی کا کام نہایت دشوار حالات میں کیا جاتا ہے۔ جس پر خطیر رقم خرچ ہوتی ہے۔ پچھلے ڈیڑھ سو سال میں افریقی صحراؤں جیسی جگہوں پر محققین کی کثیر تعداد سخت دھوپ میں کھدائیوں میں مصروف رہی۔ ایک ایک مقام پر ان کے کئی کیمپ مہینوں لگے رہے اور اس پر اربوں ڈالر خرچ ہوئے لیکن ساری مساعی بے نتیجہ رہیں۔ ممتاز محقق رچرڈ لیکے اور معروف سائنسی مصنف راجر لیوین (ROGER LEWIN) نے ان لاحاصل تحقیقات کے بارے میں مندرجہ ذیل اعتراف نامہ کیا۔

''اگر کوئی شخص دس سے پچاس لاکھ سال قبل تک وفات پانے والے ہمارے آباؤ اجداد (ہمارے حیاتیاتی رشتہ داروں) کے دریافت شدہ ڈھانچوں کو اکٹھا کرنے کی تکلیف گوارا کرے تو وہ انہیں چند ایک میزوں پر سجا کر رکھ سکتا ہے۔ اور اگر اس سے بھی زیادہ تکلیف گوارا کی جا سکے تو ڈیڑھ کروڑ سال سے 60 لاکھ سال کے درمیانی عرصے کے جو تحجرات برآمد ہوں گے وہ ایک بڑے سائز کے شو کیس میں ڈالے جائیں تو اس کیس میں پھر بھی کچھ جگہ بچ جائے گی۔''

(LEAKEY, R. & LEWIN, R. People of Lake : Mankind and its beginnings, New York : ANCHOR PRESS / DOUBLE DAY, 1978 p.17)

ارتقا کی کڑیاں تلاش کرنے کے لئے کھدائیاں جاری ہیں جن پر چلچلاتی دھوپ میں درجنوں افراد نے کام کیا۔ لاکھوں ڈالر کا بجٹ ضائع ہوا۔ ان متعصبوں نے جب اپنی کوششیں بے نتیجہ پائیں تو شرمندگی سے بچنے کے لئے فراڈ سے کام لیا۔

اس طرح وقت، علم، محنت، دولت اور وسائل کا سائنس سے متعلق گمراہ کن تصورات کی خاطر ضیاع ہوا۔ دنیا بھر کی ہزاروں یونیورسٹیوں، سائنسی اداروں، لاکھوں سائنسدانوں، انسٹرکٹروں، طلبا، ٹیکنیشنوں اور ٹیکنیکل آلات کو غلط استعمال کیا گیا۔ بے شمار مسائل کا علمی طور پر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس دوران ہونے والے نئے نئے انکشافات اور نئی نئی دریافتیں ارتقا کی خام خیالیوں پر ضربیں لگاتی رہیں۔ اس نظریے کے ایک حامی سائنسدان ایس جے جونز نے اپنے ایک آرٹیکل میں جو ایک رسالہ "نیچر" میں شائع ہوا۔ "علم قدیم حیات کی اصولی مطالعہ حجرات اور آفرینش انسان" کے بارے میں لکھا کہ۔

"معلوم ہوتا ہے کہ علم حیات قدیم کے ماہرین حجرات کی قلت کی تلافی غیظ و غضب کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔ اور اب یہ واحد علمی شعبہ رہ گیا ہے جس میں ابھی تک مشہور ہونے کے لیے محض ایک رائے رکھنا کافی خیال کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ ایک ناقد کہتا ہے کہ قدیم انسانی حیات کے شعبے میں اتفاق رائے کا انحصار اس امر پر ہے کہ زیادہ پرشور تشویش کون کرتا ہے۔"

(S.J.JONIS, A THOUSAND AND ONE EVES "Nature", VOLUME 34,MAY, 31,1998p.26.)

فطرت کے مظہر کاملہ ہونے سے انکار کے نقصانات

حقیقت تحقیق یعنی فطرت میں ایک "منصوبہ بندی" کی فرمانروائی سے انکار کرنے والوں نے دراصل سائنسی تحقیق کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ جو سائنسدان فطرت میں اس "منصوبہ بندی" کے شعور کے ساتھ تحقیق شروع کرتا ہے' وہ اس منصوبے کے خد و خال اور اس کے مقصد کا سراغ لگانے کی کوشش کرے گا جبکہ ایک علمبردار ارتقا کے سامنے کوئی مقصد نہ ہوگا کیونکہ وہ فطرت کو مادے کا ایک بے مقصد اور بے مصرف ڈھیر سمجھتا ہے۔

امریکی ماہر طبیعیات اور فلسفی ولیم ڈیمبسکی ایک اور سائنسدان ہے جو فطرت میں "ڈیزائن" کی کارفرمائی پر یقین رکھتا ہے کہتا ہے کہ ارتقائی نکتہ نظر جو فطرت میں کسی مقصد کی موجودگی سے انکار پر استوار ہے' سائنس کی ترقی کی راہوں کو مسدود کرتا ہے۔ وہ علمبرداران ارتقا کی اصطلاح "جنک ڈی این اے" (ڈی این اے کے کاٹھ کباڑ) کی مثال دیتے ہوئے کہتا ہے ۔ (یہاں اس اصطلاح کی تھوڑی سی وضاحت کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اس نظریے کے حامیوں کے نزدیک ڈی این اے میں پائے جانے والے بعض اجزا (جنک ڈی این اے" جن کوئی اصلی معلومات نہیں ہوتیں اس لئے ان کا کوئی ظاہری کردار نہیں ہوتا)

"منصوبہ بندی (ڈیزائن) کی موجودگی سائنس کی پیش قدمی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ بلکہ یہ انکوائری کو وہاں سے آگے بڑھاتی ہے جہاں روایتی ارتقائی نکتہ نظر اس کی راہ روک دیتا ہے۔ اس اصطلاح میں یہ خیال مضمر ہے کہ کسی وجود کے اندر پائے جانے والے اوئی مادے ایک بے سمت ارتقائی عمل کے ذریعے بے ڈھنگے طریقے سے جوڑ دیئے گئے۔ اس وجود کے لئے ان کا صرف ایک محدود سا حصہ کارآمد ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے ارتقائی موقف کے مطابق ہمیں بہت سے ناکارہ ڈی این اے کی موجودگی کی توقع کرنی چاہئے۔ دوسری طرف منصوبہ بندی (ڈیزائن) کو تسلیم کرنے سے ہم یہ امید رکھتے ہیں کہ ڈی این اے اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے۔ ان کا ایک کردار لامحالہ موجود ہوگا۔ جدید ترین دریافتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ڈی این اے کے بڑے حصے کو کاٹھ کباڑ قرار دینے والے لوگ اس کے فنکشن سے اپنی لاعلمی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کررہے ہیں۔ مثال کے طور پر جرنل آف تھیورٹیکل بیالوجی کے تازہ شمارے میں جان بوڈنار (JOHN BODNAR) نے لکھا ہے۔ کہ "ڈی این اے کے رموز کو افشاء کرنا اس زبان کو تنگ کردینے کے مترادف ہے جو فروغ و ترقی کے پروگراموں کے بارے میں اطلاعات فراہم کرتی ہے۔"

ڈیزائن کو تسلیم کرنا سائنسدانوں کو اس کے فنکشن تلاش کرنے کی ترغیب دیتا ہے جبکہ نظریہ ارتقاء ان کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔

"ڈیزائن کو تسلیم کرنے سے سائنس کی کارکردگی کو مزید تقویت ملتی ہے جبکہ اس کے پاس جو آزمودہ آلات اور ذرائع ہیں وہ بدستور اس کے پاس رہتے ہیں لیکن ڈیزائن اس کے اوزاروں میں ایک نئے آلے کا اضافہ بنتا ہے۔ مزید برآں "ڈیزائن" تحقیق کے سوالات کا ایک مجموعہ فراہم کر دیتا ہے۔ ایک دفعہ ہم نے معلوم کر لیا کہ کوئی چیز ڈیزائن کی گئی ہے تو پھر ہمیں یہ جاننے کی ضرورت پڑے گی کہ اسے کیسے بنایا گیا۔ یہ ڈیزائن اپنے اندر کتنا توافق رکھتا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے۔"

(WILLIAM A. DEMBSKI "Science and Design" First Things, No. 86, Nov. 1998,p.26)

یہ بالکل واضح امر ہے کہ زندہ اجسام کو خدا کی تخلیق تسلیم کرنے سے سائنس کے لئے تحقیق و تفتیش کے نئی باب کھل جاتے ہیں اور اس سے بنی نوع انسان کو فطرت کے بارے میں بہتر سے معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔

تاہم مادیت پرست سائنسدان خدا کی قدرت تخلیق سے انکار کر کے دعویٰ کرتے ہیں کہ زندگی کی تمام اشکال چند الٹ پلٹ واقعات کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق عالم فطرت میں ناقص الخلقت نمونوں یا غیر ضروری پیدائشوں کا ظہور اتفاقات کی کارستانی ہے۔ ان لوگوں کا یہ ناقص نکتہ نظر سالہا سال تک بہت سے سائنسی حقائق کی نامناسب توجیہات کا سبب بنا رہا اور اس کے نتیجے میں ان گنت حقائق کی دریافت کے راستے بند رہے۔ مثلاً ایک پر (FEATHER) کی غیر متشاکل ساخت کو دیکھ کر ایک مادہ پرست سائنسدان یہی کہے گا کہ اس کا بگڑا ہوا صیہ اتفاقاً پیدا ہو جانے کا نتیجہ ہے۔ جبکہ خدا پرست سائنسدان جو یہ یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کی ہر شکل کو کسی خاص مقصد کے تحت ایک کامل شکل کے ساتھ تخلیق کیا ہے اور اسے ایک اہم امتیازی وصف عطا کیا ہے لہٰذا یہ مستحق تحقیق ہے کہ اسے ایسی شکل میں تخلیق کرنے میں کیا راز پنہاں ہے؟ جو سائنسدان اس تمہید (PREMISE) کے ساتھ اپنے کام کا آغاز کرے گا اسے جلد معلوم ہو جائے گا کہ پرواز کے لئے غیر متشاکل "پر ہی" درکار ہوتے ہیں۔ جبکہ متشاکل پروں والے جانور طاقت پرواز سے محروم رہتے ہیں۔

سائنس کی دنیا میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ شہد کی مکھی پر تحقیق کرنے والے سائنسدانوں کو بھی ایسے ہی تجربات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس موضوع پر تحقیق کرنے والے سائنسدانوں نے چھتے کے خانوں کو ناپتے ہوئے پایا کہ ان خانوں کو ملانے والے زاویے ان کے لئے "مناسب ترین زاویے" (OPTIMUM ANGLE) سے بقدر 0. 020 مختلف ہیں (ناپنے سے پتہ چلتا ہے کہ مکھیوں کے ساختہ زاویے 109 28 اور 70.32 کے درمیان کسی بھی درجے کے ہو سکتے ہیں۔ مشہور ریاضی دان کونیگ (KONIG) کے حساب سے یہ زاویے 109 26 سے لے کر 70.34 درجے تک ہونے چاہئیں) اس موضوع پر کام کرنے والے سائنسدان اس نتیجے پر پہنچے کہ شہد کی مکھیاں اکائی کے ایک باریک جزو (MINUTE FRACTION) کے بقدر غلطی کر رہی ہیں۔ سکاٹ لینڈ کے ایک ریاضی دان کولن میکلارین (1698-1746) اس وضاحت پر مطمئن نہ ہوا۔ اس نے اس مسئلے پر نئے سرے سے تحقیق کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ پہلے سائنسدانوں کا اخذ کردہ نتیجہ لوگارتھم ٹیبل میں معمولی سی چھپائی کی غلطی

(MISPRINT) کی وجہ سے تھوڑا غلط ہو گیا تھا۔ چنانچہ انکشاف ہوا کہ مکھیوں نے "مناسب ترین زاویئے" کا جو حساب رکھا تھا وہی درست تھا۔ سائنسدانوں نے غلط اندازہ لگایا تھا۔

جو شخص جانتا ہو کہ خدا نے تمام مخلوقات کو کامل تقویم کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ اپنے مفروضوں کی بنا پر ان کے ڈیزائن میں سقم تلاش نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کسی چیز کی خاص شکل و ہیئت کا اس کے مقصد تخلیق کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

تخلیق خداوندی کے بے عیب و بے سقم ہونے پر یقین نہ رکھنے والے سائنسدانوں کی ایک اور غلط فہمی بھی شہد کی مکھیوں کے سلسلے میں سامنے آئی۔ مجلہ "نیو سائنٹسٹ" کے 12 اکتوبر 1996 کے شمارے میں بن کریسٹال (BIN CRYSTALL) کا ایک مضمون چھپا جس میں اس نے دعویٰ کیا کہ یہ مکھیاں اپنے پروں کو بہت تیزی سے حرکت دینے کی وجہ سے مناسب رفتار سے پرواز نہیں کر سکتیں۔

ڈی این اے کی پیچیدہ ساخت کا اس کے مخصوص مقاصد کے حوالے سے جائزہ لیا جائے تو یہ بالکل ان کے مطابق پائی جاتی ہے۔

شہد کی مکھیوں کا طرز عمل بے حد پیچیدہ ہوتا ہے۔ ان کے طرز عمل پر حالیہ تحقیق سے کئی مقاصد سامنے آئے ہیں جنہیں ماضی میں نہیں سمجھا جا سکا تھا۔

فاضل مضمون نگار لکھتا ہے کہ یہ مکھیاں اپنے پروں کو کبھی بہت تیزی سے گردش میں لاتی ہیں اور کبھی بہت آہستگی سے، اور اس کے باوجود یکساں رفتار سے اڑتی ہیں۔ اس طرح زیادہ حرکت کی وجہ سے وہ اپنی بہت سی قوت کو زائل کر لیتی ہیں۔ اس نے اس سے حتمی نتیجہ یہ اخذ کیا کہ یہ ان کے ڈیزائن میں نقص کی وجہ سے ہے۔

اریزونا سٹیٹ یونیورسٹی کی ایک ٹیم نے جس کا قائد جان ہریسن (JON HARRISON) تھا اس موضوع پر جو تحقیق کی وہ "مجلہ سائنس" (1996 , VOl 274,p.88) میں شائع ہوئی۔ اس میں کہا گیا ہے کہ شہد کی مکھیوں کے پروں کی رفتار گردش میں فرق کی معقول وجوہ سامنے آئی ہیں۔ تجربے کی خاطر جب ماحول کا درجہ حرارت تبدیل کیا گیا مکھیوں کے جسم کا درجہ حرارت، پروں کی شرح گردش اور توانائی کے استعمال کی شرح کا شمار کیا گیا تو پتہ چلا کہ جب درجہ حرارت 20 سے 40 سنٹی گریڈ کو پہنچا تو پروں کی شرح گردش کم ہوئی۔ تحقیق سے ثابت ہوا کہ موسم گرما میں یہ مکھیاں اپنے پروں کو کم گردش دیتی

ہیں اور سردیوں میں زیادہ تیزی سے حرکت دیتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کی رفتار پرواز میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ وہ سردیوں میں اپنے جسموں اور چھتوں کو گرم رکھنے کے لئے پروں کو تیزی سے حرکت دے کر انرجی پیدا کرتی ہیں۔ چنانچہ یہ انکشاف ہوا کہ ان کے پر دوہرا کام کرتے ہیں۔ پرواز کا بھی ذریعہ بنتے ہیں اور حرارت بھی پیدا کرتے ہیں۔

ارتقائی سائنسدانوں نے ایک اور ٹھوکر "غیر فعال اعضا" (VESTIGIAL ORGANS) کے سلسلے میں کھائی ہے۔ "غیر فعال اعضا" جانداروں کے جسم میں پائے جانے والے وہ اعضا ہیں، جو ان کے کہنے کے مطابق موجودہ زمانے میں کارآمد نہیں رہے لیکن ان کے آباؤ اجداد کے جسموں میں یہ پوری طرح فعال کردار ادا کیا کرتے تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ انسانی جسم میں متعدد "غیر فعال اعضا" موجود ہیں جو انہوں نے اپنے اجداد سے بطور ورثہ پائے ہیں۔ یہ اس لئے بیکار ہو گئے کہ انسانوں نے انہیں استعمال کرنا ترک کر دیا تھا۔ خدا کی صفت خلاقی کے منکر سائنسدانوں نے ان اعضا کی سائنسی تحقیق کو شدید نقصان پہنچایا اور وہ خود بھی محض مفروضوں میں الجھ کر رہ گئے۔ جونہی سائنس آگے بڑھی تو یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ یہ اعضا نہ صرف یہ غیر فعال نہیں ہیں۔ بلکہ انسانی جسم کے لئے بے حد ضروری بھی ہیں۔ اس کے بعد ان لوگوں نے "غیر فعال اعضا" کی طویل فہرست کو بتدریج کم کرنا شروع کر دیا۔ جو اس بات کی بہترین گواہی ہے کہ ان لوگوں کی تمہید ہی ناقص تھی اور اس نے سائنس کی پیشرفت کو کتنا نقصان پہنچایا۔ ایس آر سکیڈنگ (S.R.SCADDING) نے جو خود نظریہ ارتقاء کے علمبرداروں میں سے تھا ایک مضمون اس عنوان کے تحت لکھا۔ "کیا غیر فعال اعضا، ارتقاء کی گواہی بن سکتے ہیں۔" یہ مضمون مجلہ "ایوولیوشنری تھیوری" میں چھپا تھا۔ اس میں اس نے لکھا:۔

> "چونکہ ان ساختوں کو غیر مبہم طور پر بیکار ثابت نہیں کیا جا سکتا اور چونکہ اس سلسلے میں ہماری پیش کردہ دلیل کا کوئی سائنسی جواز نہیں رہا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ "غیر فعال اعضا" نظریہ ارتقاء کے لئے کوئی خصوصی ثبوت فراہم نہیں کرتے"

(S.R. SCADDING, "DoVestigial Organs Provide Evidence For Evolution?" EVOLUTIONARY THEORY, Vol 5, May 1981, p.173).

جرمن ماہر تشریح الاعضاء آر ویڈر شیم (R.WIEDERSHEIM) نے 1895ء میں غیر فعال اعضاء کی جو فہرست مرتب کی تھی وہ تقریباً (100) اعضاء پر مشتمل تھی۔ اس میں کور آنت (APPENDIX) اور دمچی کی ہڈی (COCCYX) بھی شامل تھی۔ لیکن جوں جوں سائنس ترقی کرتی رہی یہ فہرست مختصر ہوتی رہی۔ کیونکہ سائنسدانوں پر ان اعضا کے افعال منکشف ہوتے رہے اور ان پر یہ حقیقت واضح ہوتی چلی گئی کہ یہ اعضاء بے حد اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر کور آنت دراصل ایک لمفی (LYMPHOID) عضو ہے جو جسم میں دافع عفونت کردار ادا کرتا ہے۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ ٹانسلز بھی جنہیں اس فہرست میں شامل کر دیا گیا تھا وہ گلے کو عفونت سے بچاتے ہیں خاص طور پر بلوغت تک اپنا یہ کردار ادا کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح یہ پتہ بھی چلا کہ ریڑھ کی ہڈی کے نچلے سرے پر واقع مثلث نما ہڈی دمچی پیڑو کے اردگرد کی ہڈیوں کو سہارا دیتی ہے اور وہ بعض چھوٹے عضلات کا نقطہ اتصال بھی ہے۔ اس کے بعد کے برسوں میں یہ سمجھ بھی آگئی کہ گردن کی جڑ میں واقع غدود تیموسیہ (THYMUS GLANDS) مدافعتی نظام کو حرکت میں لاتے ہیں اور یہ بھی کہ "غدۂ صنوبری" (PINEAL GLAND) بعض اہم ہارمونز کی رطوبتوں کا انچارج ہے۔

اسی طرح یہ پتہ بھی چلا کہ آنکھ کی نیم قمری تہہ (SEMI-LUNAR FOLD) جسے ڈارون نے غیر فعال اعضاء میں شمار کیا تھا چکناہٹ فراہم کر کے آنکھوں کی صفائی میں مدد دیتی ہے۔

ان مثالوں سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سائنسی تحقیق کی رفتار کو مؤثر مفید اور تیز رفتار بنانے کے لئے اسے ابتداء ہی سے صحیح خطوط پر استوار کیا جانا چاہیے۔ خدا نے ہر چیز کو ایک خاص مقصد کے تحت تخلیق کیا ہے۔ جس کا ذہن اس سے منور اور جذبہ خیر ہے۔ اس لئے مظاہر فطرت پر تحقیق کرنے والے سائنسدان کا مطمح نظر، تمام اشیاء کی کاملیت کی تفصیلات دریافت کرنا اور ان کی تخلیق کے پس پردہ حکمتوں اور مقاصد تلاش کرنا ہونا چاہیے۔

ناکامیوں کے بعد دہریوں اور ارتقائی سائنسدانوں پر مرتب ہونے والے اثرات

گمراہ کن اور لاحاصل مفروضوں پر وسیع پیمانے پر سرمایہ اور محنت خرچ کرنے سے ارتقائی سائنسدان جذباتی طور پر کھوکھلے پن کا شکار ہو رہے ہیں۔ جب انہیں یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جس تحقیق کے لئے انہوں نے اپنی زندگیاں کھپا دیں بے فائدہ اور بے مقصد ثابت ہوئی ہے ان پر مایوسیوں کے بادل چھا جاتے ہیں۔ سائنسی تحقیق کے لئے دل جمعی توازن اور بے پناہ جذبہ قربانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیبارٹری میں اس "تمہید" پر طویل تجربات اور مشاہدات کرتے رہنا جس کے بے نتیجہ ہونے کا انہیں اندازہ ہو چکا ہے اور یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ جو چیز سامنے آ رہی ہے وہ ان کے بنیادی منصوبے سے براہ راست متصادم ہے۔ فی الواقع بڑا مایوس کن تجربہ ہے۔

ممتاز امریکی بائیو کیمسٹ مائیکل بیہی (MICHAEL BEHE) نے اپنی تصنیف "ڈارونز بلیک باکس" میں ڈارون ازم کی بے وقعتی ثابت کرتے ہوئے اسکے علمبرداروں کی نفسیاتی کیفیت پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ جو ان پر زندہ خلیوں کے حقائق سے متصادم ہونے کے بعد طاری ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "پچھلے چار عشروں کے دوران جدید بائیو کیمسٹری نے خلیے کے متعدد پوشیدہ اسرار بے نقاب کئے ہیں۔ یہ کامیابی سائنسدانوں کی دن رات محنتوں کا ثمر ہے۔ لاکھوں افراد نے اپنی زندگیوں کا بہترین حصہ لیبارٹریوں میں ایک تھکا دینے والے عمل کی نذر کر دیا۔ ان کی جملہ مساعی کا ہدف خلیے پر تحقیق ...... سالماتی سطح پر اس کی حیات کا کھوج لگانا ...... تھا۔ جس کے نتیجے میں ایک بلند آہنگ صدا بلند ہوئی یہ ایک "منصوبہ بندی" (ڈیزائن) کی موجودگی کا فلک شگاف اعلان ہے۔ یہ نتیجہ اتنا غیر مبہم اور واضح ہے کہ اسے سائنس کی تاریخ کی عظیم ترین کامیابیوں میں شمار کیا جا

ملتا ہے۔ سائنس کی اس کامیابی پر لاکھوں انسانوں تصویر نمبر 30
کے گلے سے بیک وقت "پا لیا" "پا لیا"
(EUREKA) کی چیخ نکل آنی چاہیے تھی۔
لیکن کوئی تالی نہ بجی اور نہ ہی رازوں کے افشا کی
خوشی میں بوتلوں کے کارک اڑا کر اظہار مسرت کیا
گیا۔ اس کی بجائے ایک گھمبیر سناٹا چھا گیا۔ یہ
پریشان کن خاموشی خلیے کے پوشیدہ رازوں کے

پرت در پرت جانے کا نتیجہ تھی۔ جب معاملہ پبلک کے سامنے آتا ہے تو گھبراہٹ کے عالم میں وہ جسم کا بوجھ کبھی ایک ٹانگ پر ڈالتے ہیں اور کبھی دوسری پر منتقل کرتے ہیں۔ جبکہ سانسیں رک رک کر لی جاتی ہیں۔ نجی طور پر انہیں کسی گونہ اطمینان کا احساس ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض نے واضح طور پر حقائق کو تسلیم کر لیا ہے۔ پھر وہ زمین پر نظریں گاڑے ہوئے سروں کو جھٹکے دے رہے ہیں اور زبان حال سے کہتے ہیں "چلو ایسے ہی سہی"۔ سائنسدان برادری نے اس چونکا دینے والی دریافت کا آگے بڑھ کر خیر مقدم کیوں نہیں کیا؟ منصوبہ بندی کا مشاہدہ کر کے بھی اسے قبول کرنے میں اتنا تامل کس لئے؟ اصل مخمصہ یہ ہے کہ اس "ہاتھی" کی ایک جانب انہیں ذہانت، دانش اور منصوبہ بندی کا لیبل چسپاں دکھائی دے رہا ہے اور دوسری طرف انہیں لازماً خدا کا لیبل دکھائی دے رہا ہوگا۔"

(MICHAEL J. BEHE, Darwin's Black Box, N. YORK PRESS 1966 p.231-232

سائنس دان برادری میں شامل بعض علمبرداران ارتقاء نے اپنی مایوسی کا کھل کر اعتراف کر لیا ہے۔ مثال کے طور پر ماہر حیاتیات قدیم ڈاکٹر کولن پیٹرسن نے جو برٹش میوزیم آف نیچرل ہسٹری میں ممتاز عہدے پر فائز ہونے کے علاوہ مسئلہ ارتقاء پر ایک کتاب کا مصنف بھی تھا نیو یارک میں میوزیم آف نیچرل ہسٹری کی تقریب افتتاح میں اپنے خطبے میں کہا:

"سوال یہ ہے کہ کیا آپ مجھے ارتقا کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں۔ یعنی کوئی ایک ایسی بات جو سچی ہو؟ میں نے یہ سوال فیلڈ میوزیم آف نیچرل ہسٹری کے شعبہ ارضیات کے عملہ سے بھی پوچھنے کی کوشش کی تھی لیکن مجھے خاموشی کے سوا کوئی جواب نہ ملا۔ پھر مجھے ہوش

آ گیا تو محسوس ہوا کہ میں عمر بھر ارتقا کے فریب میں ٹھوکریں کھاتا رہا تاہم کسی نہ کسی طرح مجھ پر حق آشکار ہو گیا۔"

(COLIN PATTERSON. Evolution and Creationism, SPEACH AT THE AMERICAN MESEUM OF NATURAL HISTORY, NEW YORK (Nov. 5, 1981)

اپنی اس تقریر میں ایک اور جگہ پیٹرسن نے یہ بھی کہا

"میرا نظریۂ ارتقا سے متصادم موقف اختیار کرنے یا غیر ارتقائی نظریہ اپنانے کے اسباب میں ایک یہ بھی تھا کہ پچھلے سال مجھے اچانک خیال آیا کہ میں پچھلے بیس برس سے یہ سمجھ کر کام کرتا رہا کہ میں کسی نہ کسی طرح سے نظریۂ ارتقا پر تحقیق کر رہا ہوں۔ ایک صبح میں بیدار ہوا تو مجھے خیال آیا کہ رات کو کوئی واقعہ رونما ہوا تھا جس نے مجھے احساس دلایا کہ میں بیس سال سے اس مسئلے پر کام کر رہا ہوں جس کے بارے میں مجھے کچھ بھی معلوم نہیں۔ یہ جان کر مجھے سخت صدمہ پہنچا کہ کیا کوئی شخص اتنا طویل عرصہ گمراہی میں گزار سکتا ہے۔"

اسی طرح ایک اور علمبردار ارتقا ڈاکٹر این ہیربرٹ نلسن - (N HERIBERT NILSSON) نے جو سویڈن کی لنڈ یونیورسٹی میں بوٹینکل انسٹی ٹیوٹ کا ڈائریکٹر تھا اعتراف کیا کہ اس نے اس مسئلے پر چالیس برس خواہ مخواہ ضائع کر دیئے ہیں۔ اس نے اپنے الفاظ۔ "میں تجربات کی مدد سے ارتقا کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا رہا اس طرح چالیس برس سے زائد عرصہ اس کام میں کھپایا اور بالآخر ناکامی سے دوچار ہوا۔"

(" THE EARTH BEFORE MAN" p.51)

"بہت سے نظریہ ارتقا نے سالہا سال اس نظریے کو تقویت دینے میں صرف کر دیے ہیں۔ ان کی ساری کوششیں اکارت گئیں اس کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا۔ انہیں تحقیق کے کام میں کوئی دلچسپی ہی باقی نہیں رہی۔

ان انفرادی مثالوں سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ سائنس ایک جھوٹے نظریے کا تعاقب کرتی رہی ہے۔ ہزاروں سائنس دانوں نے اپنا وقت، وسائل، لیبارٹریوں کے آلات اور اپنے سٹاف کے ارکان کی صلاحیتیں محض ایک مفروضے کی خاطر ضائع کر دیں۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارے دور کے علمبرداران ارتقا ہی نے اس نظریے سے اظہار بیزاری نہیں کیا بلکہ اس کے بانی چارلس ڈاروِن نے بھی "خواہ مخواہ کی تضیع اوقات" پر جھنجھلاہٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "اسے بارآخر اپنی کوششیں اکارت جاتی ہوئی لگتی ہیں۔"

اس نے اپنی اس پریشانی کا ذکر دوستوں کے نام خطوط میں بکثرت کیا تھا اور اپنے مضامین میں بھی بددلی کا اظہار کیا تھا۔ ایک مضمون میں اس نے اعتراف ناکامی کرتے ہوئے کہا کہ فطرت میں پایا جانے والا کوئی مشاہدہ اس نظریے کی تائید نہیں کرتا اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں: "فطرت از سر تا سر مکمل اور بہت دھرم ہے جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ بھی نہ ہو پائے گا۔"

("FRANCIS DARWIN, The Life and Letters of Charles Darwin Vol.1, New York : D"

ڈاروِن میں خود اعتمادی کی کمی کا اظہار اس کے ان الفاظ سے بھی ہوتا ہے:۔

"تاہم مجھے شبہ ہے کہ کیا میری یہ تصنیف (آفرینش انواع) اس قابل ہے کہ اس پر اتنا وقت صرف کر دیا جاتا۔" (بحوالہ کتاب مذکورہ بالا)

صاف ظاہر ہے کہ ایک گمراہ کن تصور جو خالصتاً نظریاتی بنیاد پر استوار کیا گیا ہو اپنے پیش کاروں کے لیے تشویش اور خجالت ہی لاتا ہے۔ سائنس کو غلط راہ پر ڈالنے والے بھی بالآخر ایسے ہی ناگزیر نتائج سے دوچار ہوئے۔

ارتقائی فریب کاریوں سے سائنس کو پہنچنے والا نقصان

ارتقا کے علمبردار چونکہ اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے شواہد پیش کرنے میں ناکام رہے اس لئے وہ انسانیت کو دھوکہ دینے کے لئے وقتاً فوقتاً سائنسی دریافتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے رہے ہیں۔ ان کی فریب کاریوں میں سے بدترین فریب "پلٹ ڈاؤن آدمی" (PILTDOWN MAN) کا سکینڈل ہے۔ یہ سائنسدان جب اپنے دعوے کے مطابق نصف بندر اور نصف آدمی کے فوسلز (متحجرات) دریافت کرنے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے بالآخر خود ایسے فوسلز تیار کر لئے۔ انہوں نے افریقی بندر کا جبڑا تراش خراش کر کے انسانی کھوپڑی کے نیچے فٹ کر لیا۔ پھر مختلف کیمیکلز لگا کر اسے قدیم انسان کی کھوپڑی کے طور پر پیش کیا اور اس کھوپڑی کو دنیا کے مشہور ترین عجائب گھر میں نمائش کے لئے رکھ دیا۔ ایف کلارک ہویل (F.CLARK HOWELL) نے جو خود بھی ارتقا کے علمبرداروں میں سے تھا اس جعلسازی کو سائنس کے لئے بہت نقصان دہ قرار دیا اس نے کہا۔

"پلٹ ڈاؤن کے بارے میں 1953 میں یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ محض جعلسازی ہے جو بندر کے جبڑے کو انسانی کھوپڑی کے اندر فٹ کر کے کی گئی ہے۔ یہ جبڑا نہ تو بندر کے جبڑے کے طور پر شناخت ہوتا تھا اور نہ کھوپڑی انسانی کھوپڑی لگتی تھی بلکہ ان میں سے ہر جز وانسان اور بندر کے درمیان کی کسی چیز کا دکھائی دیتا تھا۔ اس کی عمر 500,000 سال ظاہر کی گئی اور اسے "ڈان مین" (LOANTHROPUS DAWSON) کا نام دیا گیا۔ چنانچہ انہوں نے اس پر

کم و بیش 500 کتابیں لکھ ڈالیں۔ اس "دریافت" نے ماہرین حیاتیات قدیمہ کو 45 سال تک بے وقوف بنائے رکھا۔"

(F.CLARK HOWELL, Early Man, N.Y.TIME LIFE BOOKS 1973, p.24-25)

اس سائنسدان کے یہ الفاظ خصوصی توجہ کے مستحق ہیں کہ "ارتقا کے اس نام نہاد ثبوت نے سائنسدان برادری کو چالیس سال تک بے وقوف بنائے رکھا۔" یہ واقعہ کہ جعلی کھوپڑی کے بارے میں 500 کتابیں لکھی گئیں اس امر کا ثبوت ہے کہ اس بے ہودگی کو سچ ثابت کرنے پر کتنے وسائل اور قیمتی اثاثے ضائع کئے گئے۔

اسی طرح کے ایک اور ارتقائی فریب کے مرتکب سائنسدان ارنسٹ ہیکل (ERNST HAECKEL) نے صرف اپنی جعل سازی کا اعتراف کیا بلکہ ان تحریفات کا بھی حوالہ دیا جن کا ارتکاب اس کے شرکائے کار کرتے رہے۔ تا کہ ان کے پیش کردہ نظریات کو قبولیت عامہ حاصل ہو سکے۔

ڈارون کا بیٹا۔ اس نے نظریہ ارتقاء پر جتنا وقت صرف کیا وہ اسے وقت کا صحیح مصرف نہیں سمجھتا۔ اس امر کا اظہار ہے کہ وہ اس نظریے کی صداقت ثابت کرنے میں خود کو ناکام سمجھتا تھا۔

"پلٹ ڈاؤن مین کے طور پر پیش کردہ جعلی تصویر جس نے ۴۰ سال تک لوگوں کو بے وقوف بنائے رکھا"

"اس سازش اور جعل سازی کا ارتکاب کرنے کے بعد میں خود کو سخت مجرم اور مستوجب سزا سمجھنے لگا' لیکن یہ دیکھ کر میری ڈھارس بندھی کہ اس معاملے میں میرے دیگر رفقائے کار بھی ملوث ہیں جو سینکڑوں مجرموں کے ہمراہ کٹہرے میں کھڑے ہیں۔ ان میں متعدد معتمد علیہ مشاہدہ کار اور قابل اعتماد ماہرین حیاتیات بھی شامل ہیں۔ بیالوجی کی بہترین کتابوں' نسخوں اور مجلات میں شامل اکثر تصویری خاکے انہی جعلسازیوں کے ذریعے بنائے گئے ہیں۔ یہ فطری شواہد نہیں بلکہ بیشتر گھڑے ہوئے ہوتے ہیں"

(FRANCIS HITCHING, The Neck of Giraffe , Where Darwin went wrong. New York : Ticknor and Fields 1982p 204)

مشاہدات' تجربات اور تحقیق کو نظریہ ارتقا کے مطابق ڈھالنے' سچائیوں کو چھپانے یا ان کی مسخ کردہ تصویریں پیش کرنے کی حالیہ کوششوں نے سائنس کے فروغ میں شدید رکاوٹیں ڈال دی ہیں۔ ارتقا کے ایک علم بردار مصنف ڈبلیو آر تھامپسن نے اس حقیقت کا اعتراف بالواسطہ طور پر ذیل کے الفاظ میں کیا ہے:

"یہ صورت حال جس میں سائنس کے لوگ اپنے نظریے کے دفاع کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ہوں جس کی وہ سائنسی تعریف بھی متعین نہ کر سکے ہوں — چہ جائیکہ وہ سائنسی جوش و خروش سے اس کی سچائی کا مظاہرہ کرنے پر قادر ہو سکے ہوں .... سائنس میں خلاف وضع اور ناپسندیدہ قرار پاتی ہے۔ یہ حرکت محض عوام کا اعتقاد برقرار رکھنے' تنقید کرنے والوں کی زبان بند کرنے اور مشکلات پر قابو پانے کے لئے کی جاتی ہے۔"

("INTODUCTION",Origin of Species, by charles Darwin

(Dutton, EVERYMAN'S LIBRARY,1956, P.xxii)

اس سلسلے میں دلچسپ ترین امر یہ ہے کہ علمبرداران ارتقا نے اپنے نظریے کی حقانیت ثابت کرنے کے لئے جتنا تحقیقی کام کیا یا تجربات کئے ان سے نظریہ تخلیق ہی کو تقویت حاصل ہوتی رہی۔

نئی دریافتیں علمبرداران ارتقا کے سینوں پر سانپ لوٹتے رہے

جیسا کہ اس باب کی ابتدا میں عرض کیا گیا تھا جب بھی سائنس غلط نظریات سے رہنمائی حاصل کرے گی تو وقت، سرمایہ اور تمام محنت اکارت جائے گی۔ چونکہ سائنس 18 ویں صدی سے مادہ پرستوں کے زیر اثر کام کر رہی ہے اس لئے تقریباً ساری ریسرچ کا مقصد مادہ پرستانہ فلسفوں کی تصویب کے لئے شواہد اکٹھے کرنا تھا۔ چنانچہ ان فلسفوں کے منافی سائنسی شواہد پر یا تو پردہ ڈال دیا گیا یا انہیں مسخ کر کے سامنے لایا گیا۔

زیادہ دلچسپ بات یہ سامنے آئی کہ علمبرداران ارتقا نے اپنے نظریہ کو درست ثابت کرنے کے لئے جتنی تحقیق کی یا جتنے تجربات کئے ان سے نظریہ تخلیق کی حمایت میں مزید شواہد برآمد ہوئے۔ خدا کے وجود پر ایمان رکھنے والوں کے لئے سائنس قدرے آسان اور سہل الفہم مضمون ہوتی ہے۔ ایسا امر جس کی موجودگی مسلمہ ہو اس کے حق میں شواہد اکٹھے کرنے میں سائنسدانوں کو کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اس کے برعکس عدم موجود شواہد کی تلاش کرنا جوکھوں کا کام ہوتا ہے جس کی تصدیق وہ خود بھی کرتے ہیں۔

اس کی تلخ ترین مثالوں میں سے ایک مثال کیمبری عہد (CAMBRIAN PERIOD) کی دریافت کا مسئلہ تھا۔ یہ نام اس عہد کو دیا گیا جو تقریباً 55 کروڑ برس پہلے کا وہ دور تھا جس میں زندگی کے ابتدائی آثار نمودار ہوئے تھے۔ اس عہد میں موجود تمام اشکال زندگی پوری طرح ترقی یافتہ جاندار تھیں۔ جن کے اندر تمام اعضاء و جوارح اور نظام ہائے حیات مکمل طور

پر فعال کردار ادا کر رہے تھے۔ مثال کے طور پر ایک سہ لخت ناپید بحری جانور (TRIOBLITE) کی آنکھ مرکب ساخت کی حامل تھی جس میں 100 عدسے نصب تھے۔ اس کی آنکھ اس جدید دور کے کیڑوں بھنبھیری (DRAGONFLY) کی آنکھ کے ہم پلہ تھی۔ علمبرداران ارتقا کے لئے اصل تکلیف دہ مسئلہ یہ ہے کہ ایسی پیچیدہ ساخت کی حامل مخلوق اس چٹانی عہد میں کیسے آ موجود ہوئی جبکہ اس کے آباؤ اجداد کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ ایسے سائنسی حقائق تو واضح طور پر حقیقت تخلیق کی شہادت دیتے ہیں۔

علمبرداران ارتقا تو سائنسی ثبوت پیش نہیں کر سکے، سائنسی دریافت وجود باری تعالیٰ اور اس کی تخلیقی صفتوں کی گواہی دیتی ہے۔ قدیم عہد میں پائی جانے والی پیچیدہ شکل زندگی بھی اس کی تخلیق کاری کا ثبوت تھی۔

اس پر مشہور ارتقائی سائنسدان رچرڈ ڈاکنز نے جو ایک برطانوی زوالوجسٹ ہے، حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جتنی بھی دریافتیں سامنے آ رہی ہیں ان سے

نظریہ تخلیق ہی کے شواہد مل رہے ہیں:۔

”مثلاً کیمبرین عہد کی چٹانوں کا زمانہ جو (۶۰) کروڑ سال پرانا ہونے کی وجہ سے قدیم ترین دور تھا اس میں پائے جانے والے غیر فقاریہ (INVERTEBRATE) گروپوں میں سے بہت سے جانور پہلے ہی سے ارتقا کے اعلیٰ درجے پر پہنچے ہوئے تھے۔ یعنی وہ جنم لیتے ہی اس درجے پر تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی ارتقائی تاریخ سے گزرے بغیر ہی اس منزل پر موجود تھے۔ اب یہ کہنے کی کیا ضرورت رہ گئی ہے کہ ان کا اچانک ظہور یا وہاں ان کی موجودگی نظریہ تخلیق پر ایمان رکھنے والوں کے لئے کتنی باعث مسرت ہوگی؟“

(RICHARD DAWKINS, The Blind Watchmaker, LONDON : W.W.NORTON 1986p.229)
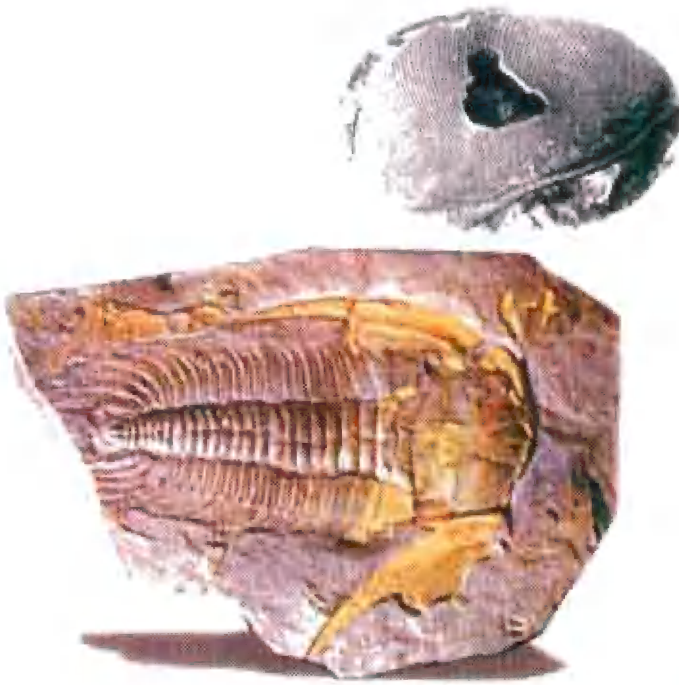
کیمبری عہد کے [illegible] متحجرات اور ان کی پیچیدہ ساخت والی آنکھیں تخلیق خداوندی کی ادا ہیں۔

جھینگری (ڈریگن فلائی) کی آنکھیں بھی اسی طرح کئی عدسوں پر مشتمل ہیں جیسی کہ کیمبری عہد کے سمندری کیڑوں کی ہوتی تھیں۔

علم حیاتیات قدیم میں گوہلوکی یہ کیفیت ایک اور سنگین تعطل تھا جس نے نظریہ ارتقاء پر ضرب کاری لگادی۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی بار بار کہا ہے کہ علمبرداران ارتقاء و مختلف فرضی انواع کی درمیانی عبوری کڑیوں کی تلاش کے لئے پاؤں پٹختے اور سر دھنتے رہے لیکن کوئی ٹھوس ثبوت ان کے ہاتھ نہ آسکا۔ کیونکہ ایسی مخلوق کبھی پائی ہی نہیں گئی جسے پیش کر کے وہ اپنے نظریے کو درست ثابت کر سکتے۔ علم حیاتیات کے ایک ارتقائی سائنسدان مارک زاٹلی نے ان ناکامیوں کا یوں ذکر کیا ہے:

"اس نظریے کو ثابت کرنے کے لئے ایک بڑا مستند فوسلز کا ریکارڈ ہے زمینی سطحوں اور پرتوں کے بننے بگڑنے کے دوران معدوم شدہ انواع کے نشانات غائب ہوگئے جس کی وجہ سے ہمیں سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ درمیان کی کڑیوں کے نشانات ہاتھ آئے بغیر انواع یکے بعد دیگرے آناً فاناً پیدا ہوتی اور غائب ہوجاتی رہیں۔ یہ بے قاعدگی نظریہ تخلیق کو مزید تقویت دیتی رہی اور انہیں یہ کہنے کا موقع ملتا چلا گیا کہ غائب ہوجانے والی ہر نوع کا خالق خداوند تعالیٰ ہے۔"

(MARK CZARNECKI, The Revival of the Creationist Crusade, MACLEAN'S JANUARY, 19,1981p.56).

علمبرداران ارتقا کے ان بیانات کا بین السطور مفہوم اس امر کا واضح اظہار ہے کہ وہ اس نظریے کے سائنسی جواز کے لئے جتنی مساعی کرتے رہے وہ ناکام ثابت ہوتی رہیں۔ چنانچہ وہ کسی متعین اور ٹھوس نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ اس کے برعکس ان کا ہر مطالعہ اور ہر تحقیق اشیا کا اتفاقی ظہور ثابت کرنے کی بجائے اس اٹل سچائی پر گواہ ہے کہ جملہ زندہ اجسام کو کسی نقص کے بغیر پیدا کرنے والا وہی ہے جو خالق ارض وسماء کہلاتا ہے۔

ماحاصلِ بحث:

ہمارے گردوپیش کا ماحول اور وہ کائنات جس میں ہم رہتے ہیں نشانات تخلیق سے بھری پڑی ہے مچھر کی اندرونی ساخت میں کارفرما نظام' مور کے پروں پر فنکارانہ نقش و نگار' آنکھوں جیسی پیچیدہ ساخت اور ان کا حسنِ کارکردگی اور زندگی کی کروڑوں دیگر اشکال' وجود خداوندی کے واضح اور روشن ترین نشانات ہیں جو اس کے بے پناہ علم و بصیرت اور حکمتوں کا ناقابل تردید ثبوت پیش کررہے ہیں۔ جو سائنس دان تخلیق کو بطور حقیقت مانتا ہے اور اسی پس منظر میں مظاہر فطرت پر نظر دوڑاتا ہے تو اسے ہر مشاہدہ ایک لذت سے سرشار کر دیتا ہے۔ وہ جتنے تجربات کرتا ہے ان سے اسے مزید مطالعے و تحقیق کے لئے تحریک ملتی ہے۔

دوسری جانب نظریہ ارتقا جیسے فرسودہ تصورات پر یقین رکھنے والے افراد جو اس نظریے کا بطلان سامنے آنے کے باوجود' اپنی ضد پر قائم ہیں' انہیں پے در پے جذباتی صدموں اور مایوسیوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ کائنات میں پایا جانے والا آہنگ اور زندہ اشیا کا تنوع جس کے پیچھے ایک واضح مقصد کارفرما ہے' انہیں سخت ہیجان میں مبتلا کر رہا ہے۔ ڈارون کے یہ الفاظ ارتقا پسندوں کی داخلی کیفیات بیان کر رہے ہیں۔

"مجھے وہ زمانہ اچھی طرح یاد ہے کہ جب آنکھوں کا خیال کر کے میرے ہاتھ پاؤں سرد ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن میں نے اپنے اندرونی خلجان کے اس مرحلے پر قابو پالیا ہے.......... تاہم اس کے اجزائے ساخت اب بھی اکثر مجھے سخت

بے چین کر دیتے ہیں۔ میں جب بھی مور کی دم کے پروں پر نظر ڈالتا ہوں بخار کی سی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔"

(NORMAN MACBETH, Darwin Retired An Appeal to reason, BOSTON, GAMBIT, 1971,p.101)

مور کے پر اور فطرت میں کمال تخلیق کے دیگر بے شمار نشانات' حامیان ارتقا کے لئے مسلسل سوہان روح بنے ہوئے ہیں۔ صاف دکھائی دینے والے ان معجزات کی طرف سے آنکھیں بند کر لینے کی وجہ سے یہ لوگ سچائیوں کے بارے میں متضاد احساسات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بھی بجا ہو گا کہ ان میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی دم توڑ چکی ہے۔ اس کیفیت کی ایک واضح مثال ممتاز ارتقا پسند رچرڈ ڈاکنز ہے کہ جس نے مسیحیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ کنواری مریم کا مجسمہ دیکھ کر بھی' جس میں وہ آپ کی طرف ہاتھ ہلا رہی ہوں' اسے معجزہ گمان نہ کریں۔ کیونکہ بقول ڈاکنز" ہو سکتا ہے کہ مجسمے کے بازو کے تمام ذرات اس گمان کی بدولت اسی سمت میں حرکت لگے ہوں .... اگرچہ یہ یقینی نہیں لیکن امکانی امر تو ہے۔"

(RICHARD DAWKINS, The Blind Watchmaker, LONDON: W.W. NORTON 1986p.159)

سائنس کو ترقی کی اعلیٰ منزلیں طے کرنے کے لئے 19ویں صدی میں قائم شدہ اس تسلط کا جوا اتار پھینکنا چاہئے اور سائنسدانوں کو آزادانہ سوچ کے ساتھ ان حقائق کے لئے اپنے ذہنوں کو کھلا رکھنے اور انہیں قبول کرنے کے لئے اپنے اندر جرأت پیدا کرنی چاہئے۔

نظریہ ارتقا کا بانی ڈارون مور کے رنگا رنگ پروں کی خوشنمائی دیکھ کر اس لئے پریشان ہوا کہ یہ ایک خالق عظیم کی موجودگی کا ایک اور ثبوت تھا۔

مذہب اور سائنس کی ہم آہنگی

مادیت پرست عناصر سائنس کے شعبے میں اپنی شکست پر پردہ ڈالنے کے لیے پروپیگنڈے کے ہتھکنڈوں سے کام لیتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا ایک فرسودہ پروپیگنڈا یہ ہے کہ ''سائنس مذہب سے متصادم'' ہے۔ یہ جملہ ان کی مطبوعات میں اکثر دوہرایا جاتا ہے۔ اس خیال کو تقویت پہنچانے کے لیے کئی کہانیاں گھڑی گئی ہیں جن میں قارئین کو باور کرایا جاتا ہے کہ مذہب تاریخ کے تمام ادوار میں سائنس کی مخالفت کرتا رہا ہے اور سائنس کی ترقی کا واحد راستہ یہ ہے کہ مذہب کو نظر انداز کر دیا جائے۔ تاہم سائنس کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اس دعوے کا جھوٹ واضح ہو جاتا ہے۔

جب ہم اسلام کی تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ مشرق وسطی میں سائنس قرآن مجید کے ساتھ ہی متعارف کرادی گئی تھی۔ زمانہ قبل از اسلام میں اہل عرب ہر قسم کی توہمات اور سنی سنائی باتوں پر یقین رکھتے تھے۔ کائنات یا فطرت پر غور و فکر کی انہیں عادت ہی نہیں تھی۔ اسلام لانے سے یہ لوگ مہذب ہو گئے اور علم کی قدر کرنے لگے اور قرآنی احکامات پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے گردو پیش کے مظاہرات پر سوچ بچار بھی شروع کر دی۔ یہ صورت حال صرف عربوں تک محدود نہیں رہی بلکہ دوسری اقوام ایرانی، ترک، اور شمالی افریقہ کے لوگ بھی مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد روشن خیال ہو گئے۔ قرآن نے عقل اور تدبر کی جو دعوت دی اس کے زیر اثر 9 ویں اور 10 ویں صدی میں ایک عظیم تہذیب نے جنم لیا۔

اس دور کے مسلم سائنسدانوں نے فلکیات، ریاضی، علم ہندسہ (جیومیٹری) اور طب وغیرہ کے شعبوں میں قابل قدر کارنامے انجام دیئے۔ اسلام میں علم کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اظہار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے بھی ہوتا ہے۔ متعدد احادیث میں مسلمانوں کو علم حاصل کرنے اور اسے پھیلانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

''جو شخص تلاش علم کے لیے نکل کھڑا ہو اللہ اسے اس راستے پر ڈال دیتا ہے جس

پر چلتے چلتے وہ جنت میں جا پہنچتا ہے۔ ....

"علماء وارثان انبیاء ہیں کیونکہ انبیاء نے اپنے پیچھے دولت کا نہیں علم کا ورثہ چھوڑا ہے۔ جو کوئی بھی اس میں سے حصہ پانے کی کوشش کرتا ہے وہ خیر کثیر پاتا ہے۔"
(الکلینی، اصول الکافی کتاب فضل العلم باب ثواب العالم والمتعلم حدیث ۱)

"ایک مومن علم نافع سے کبھی سیر نہیں ہوتا۔ وہ زندگی کے آخری دم تک اسے حاصل کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ جنت میں جا پہنچتا ہے۔" (ترمذی 222)

روایت کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز فجر کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ "اے اللہ میں تجھ سے علم نافع، عمل مقبول اور خیر کثیر مانگتا ہوں" (ترمذی 2487، احمد اور ابن ماجہ بروایت ام سلمہ)

مسلمانوں نے یورپ میں بھی سائنسی علوم کی منتقلی میں اہم کردار ادا کیا اور اپنے ہاں بھی سائنسدانوں کی معقول تعداد پیدا کی۔ اندلس (سپین) میں سائنسی علوم نے اتنی ترقی کی کہ اس ملک کو سائنسی ترقی اور انقلابی دریافتوں کی کٹھالی کہا جانے لگا، بالخصوص میڈیسن کے شعبے اس نے بے پناہ شہرت حاصل کر لی۔ مسلمان طبیبوں نے کسی ایک شعبے میں تخصیص (SPECIALIZATION) پر زور دینے کی بجائے متعدد شعبوں بشمول علم دوا سازی، علم جراحت، علم امراض چشم، علم امراض نسواں، علم عضویات، علم جرثومیات اور علم حفظان صحت میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ اندلس کے حکیم ابن جلجول (992) کو جڑی بوٹیوں اور طبی ادویہ اور تاریخ طب پر تصانیف کے باعث عالمی شہرت ملی۔ اس دور کا ایک اور ممتاز طبیب جعفر ابن الجذر (1009) جو تیونس کا رہنے والا تھا اس نے خصوصی علامات امراض پر تین سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ عبداللطیف البغدادی (1162 - 1231) کو علم تشریح الاعضاء (ANATOMY) پر دسترس کی وجہ سے شہرت ملی۔ اس نے انسانی ہڈیوں کے بارے میں مروجہ کتب میں پائی گئی غلطیوں کی بھی اصلاح کی۔ یہ غلطیاں زیادہ تر جبڑے اور چھاتی کی ہڈیوں سے متعلق تھیں۔ بغدادی کی کتاب "الافادہ والاعتبار" 1788 میں دوبارہ زیور طباعت سے مزین ہوئی اور اس کے لاطینی، جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں تراجم کرائے گئے۔ اس کی کتاب "مقالات فی الحواس" پانچوں حواس کی کارکردگی کے بارے میں تھی۔

> اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ O (سورۃ فاطر آیت ۲۸)
> (حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اللہ زبردست اور درگزر فرمانے والا ہے)
> شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ O (سورۃ آل عمران آیت ۱۸)
> اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے (اور یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف پر قائم ہے۔ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے)

مسلم ماہرین تشریح الاعضا نے انسانی کھوپڑی میں ہڈیوں کو بالکل صحیح شمار کیا اور کان میں تین چھوٹی چھوٹی ہڈیوں (میلیس، انکس اور سٹیپز) موجودگی کی نشاندہی کی۔ تشریح الاعضا کے شعبے میں تحقیق کرنے والے مسلمان سائنسدانوں میں سے ابن سینا (980 - 1037) کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی جسے مغرب میں ''ایوسینا'' (AVICENNA) کہا جاتا ہے۔ اسے ابتدائی عمر میں ہی ادب، ریاضی علم ہندسہ (جیومیٹری)، طبعیات، فلسفہ اور منطق میں شہرت مل گئی تھی نہ صرف مشرق بلکہ مغرب میں بھی ان علوم میں انکی شہرت پہنچ گئی تھی۔ اس کی تصنیف ''القانون فی الطب'' کو خصوصی شہرت ملی۔ (اسے مغرب میں ''کینن'' ''CANON'' کہا جاتا ہے)۔ یہ عربی میں لکھی گئی تھی۔ 12 ویں صدی میں اس کا لاطینی زبان میں ترجمہ ہوا اور 17 ویں صدی تک یورپ کے سکولوں میں بطور نصابی کتاب پڑھائی جاتی رہی۔ یہ امراض اور دواؤں کے بارے میں ایک جامع تصنیف ہے۔ اس کے علاوہ اس نے 100 سے زیادہ کتابیں فلسفے اور نیچرل سائنسز پر لکھیں۔ اس کے علم کا بیشتر حصہ بشمول ''القانون فی الطب'' طبی معلومات پر مشتمل ہے جسے آج بھی ایک مسلمہ حیثیت حاصل ہے۔

زکریا قزوینی نے دل اور دماغ کے بارے میں ان گمراہ کن نظریات کو غلط ثابت کر دیا جو ارسطو کے زمانے سے مروج چلے آرہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے جسم کے ان دو اہم ترین اعضا کے بارے میں ایسے ٹھوس حقائق بیان کر دیئے جو ان کے بارے میں آج کی معلومات سے

نہایت قریب ہیں۔

زکریا قزوینی حمد اللہ المستوفی القزوینی (1281 - 1350) اور ابن النفیس نے جدید طب کی بنیاد رکھ دی۔ ان سائنسدانوں نے 13 ویں اور 14 صدیوں میں دل اور پھیپھڑوں کے درمیان گہرے تعلق کی نشاندہی کر دی تھی۔ وہ یوں کہ ''شریانیں آکسیجن ملا خون لے جاتی ہیں اور وریدیں بے آکسیجن خون کو لے جاتی ہیں۔'' یہ کہ ''خون میں آکسیجن کی آمیزش کا عمل پھیپھڑوں کے اندر انجام پاتا ہے'' اور یہ کہ ''دل کی طرف واپس آنے والا آکسیجن ملا خون شریان کبیر (AORTA) کے ذریعہ دماغ اور دیگر اعضائے بدن کو پہنچتا ہے۔''

علی بن عیسیٰ (?-1038) نے امراض چشم پر تین جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کی پہلی جلد میں آنکھ کی اندرونی ساخت کی مکمل تشریح اور وضاحت کی گئی ہے۔ ان تینوں جلدوں کا لاطینی اور جرمن زبانوں میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

گیارہویں صدی کے مسلمان سائنسدان البیرونی کو یورپ سے ۶۰۰ سال پہلے یہ علم تھا کہ زمین اپنے محور کے گرد گردش کرتی ہے اور اس نے یورپ سے ۶۰۰ سال پہلے زمین کے محور کی پیمائش کر لی تھی۔

محمد بن زکریا الرازی (RHAZE 865 - 925) برہان الدین نفیس (?-1438) اسماعیل جرجانی (?-1136) قطب الدین الشیرازی (1236 - 1310) منصور ابن محمد اور ابو القاسم الزہراوی (ALBUCASIS) مسلمان سائنسدانوں میں سے وہ اہم شخصیات ہیں جنہیں طب اور تشریح الاعضا کے علوم میں دسترس کی وجہ سے شہرت ملی۔

مسلم سائنسدانوں نے طب اور تشریح الاعضا کے علاوہ بھی کئی شعبوں میں شاندار کارنامے انجام دیئے۔ مثال کے طور پر البیرونی کو معلوم تھا کہ زمین اپنے محور کے گرد گردش کرتی ہے۔ یہ گلیلیو سے کوئی 600 سال قبل کا زمانہ تھا۔ اسی طرح اس نے نیوٹن سے 700 سال پہلے محور زمین کی پیمائش کر لی تھی۔ علی کوشوخ (ALI KUSHCHU) پندرہویں صدی کا پہلا سائنسدان تھا جس نے چاند کا نقشہ بنایا اور چاند کے ایک خطے کو اسی کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ 9 ویں صدی کے ریاضی دان ثابت بن قرہ (THEBIT) نے نیوٹن سے کئی صدیاں پہلے احصائے تفرقی (DIFFERENTIAL CALCULUS) ایجاد کر لی تھی۔ بطانی 10 صدی کا سائنسدان تھا جو علم مثلثات (TRIGNOMETRY) کو ترقی دینے والا پہلا شخص تھا۔ ابو الوفا محمد البوزجانی نے احصائے تفرقی میں پہلی بار ''مماس و مماس التمام'' (COTANGENT/TANGENT) اور ''خط قاطع و قاطع التمام'' (SECANT COSECANT) متعارف کرائے۔ الخوارزمی نے 9 ویں صدی میں الجبرا پر پہلی کتاب لکھی۔ المغربی نے فرانسیسی ریاضی دان پاسکل کے نام سے مشہور مساوات ''مثلث پاسکل'' اس سے 600 سال پہلے ایجاد کر لی تھی۔ ابن الہیثم (ALHAZEN) جو 11 ویں صدی میں گزرا ہے علم بصریات کا بانی تھا۔ راجر بیکن اور کیپلر نے اس کے کام سے بہت استفادہ کیا جبکہ گلیلیو نے اپنی دوربین انہی کے حوالے سے بنائی۔ الکندی (ALKINDUS) نے مادی طبعیات اور نظریہ اضافیت آئن سٹائن سے 1100 سال پہلے متعارف کرا دیا تھا۔ شمس الدین نے پاسچر سے 400 سال پہلے جراثیم دریافت کر لئے تھے۔ علی ابن العباس نے جو 10 ویں صدی میں گزرا تھا کینسر کی پہلی سرجری کی تھی۔ ابن الجزر نے جذام کے اسباب معلوم کئے اور اس کے علاج کے طریقے بھی دریافت کئے۔ یہاں چند ایک ہی مسلمان سائنسدانوں کا ذکر کیا جا سکا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے سائنس کے مختلف

شعبوں میں اتنے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ انہیں بجا طور پر جدید سائنس کے بانی قرار دیا جا سکتا ہے۔

جب ہم مغربی تہذیب پر نگاہ ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ جدید سائنس خدا پر ایمان کے ساتھ آئی تھی۔ 17 ویں صدی جسے ہم "سائنسی انقلاب کا زمانہ" کہتے ہیں اس میں خدا پر ایمان رکھنے والے سائنسدانوں کی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ ان کا اولین مقصد خدا کی پیدا کردہ کائنات اور اس کی فطرت دریافت کرنا تھا۔ مختلف ممالک مثلاً برطانیہ اور فرانس وغیرہ میں قائم سائنسی اداروں نے کائنات کے پوشیدہ اسرار دریافت کر کے اس کے خالق کے قریب تر پہنچنے کے عزم کا اعلان کر رکھا تھا۔ یہ رجحان 18 ویں صدی میں بھی برقرار رہا۔ شاندار سائنسی کارنامے انجام دینے والے بعض سائنسدانوں کو قرب الٰہی کے حصول کے اعلانیہ عزم کے حوالے سے پہچانا جاتا تھا۔ نیوٹن، کیپلر، کوپرنیکس، بیکن، گلیلیو، پاسکل، بوائل، پالے اور کوویر اسی قبیل کے سائنسدانوں میں سے تھے (اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے باب "اہل ایمان سائنسدان")

15 ویں صدی کے سائنسدان علی قوشجی (ALI KUSHCHI) نے چاند کا نقشہ بنایا جس کی وجہ سے چاند کا ایک خطہ اس کے ساتھ موسوم کر دیا گیا ہے۔

ان سائنسدانوں نے ایمان باللہ کے جذبے سے سائنسی تحقیق وجستجو کی جس کی تحریک انہیں جذبۂ ایمانی سے حاصل ہوتی تھی۔ اس جذبے کا بہترین اظہار ہمیں 19 ویں صدی کے اوائل میں "مقالاتِ برج واٹر" (BRIDGEWATER TREATISES) میں ملتا ہے۔ یہ رسالہ برطانیہ میں مطبوعہ سلسلۂ جرائد میں سے ایک تھا۔ مختلف شعبوں میں کام کرنے والے سائنسدانوں کی ایک پوری ٹیم تھی جس نے "خدا کی پیدا کردہ کائنات اور اس کی فطرت میں پائی جانے والی زبردست ہم آہنگی اور توازن" کے نشانات تلاش کرنا اپنا مقصد اولین بنا رکھا تھا۔ ان سائنسدانوں کے طریق کار کا "دینیاتِ فطرت" کے حوالے سے ذکر کیا جاتا ہے یعنی وہ خدا کو فطرت کے حوالے سے پہچاننے کے لئے کوشاں اور اس تک رسائی کے متمنی تھے۔

اس کا ایک ثبوت ولیم پالے کی "فطری مذہبیات" کے نام سے 1802 میں چھپنے والی کتاب تھی جس کا اہتمام "برج واٹر ٹریٹیز" نے کیا تھا (اس کتاب کا پورا نام ....

'NATURAL THEOLOGY : EVIDENCES OF THE EXISTENCE AND ATTRIBUTES OF THE DEITY, COLLECTED FROM APPERANCES OF NATURE' تھا)

اس کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ بندہ مظاہر فطرت پر غور وفکر کر کے ان کے خالق کو پہچان سکتا ہے۔ پالے نے زندہ اجسام کے اعضاء میں ہم آہنگی کے حوالے سے ان کے خالق کے ایک واضح منصوبے "ڈیزائن" کے ثبوت یکجا کئے ہیں۔

پالے کے تحقیقی کام کو بطور ماڈل سامنے رکھ کر رائل سوسائٹی آف لندن کے نامزد ارکان کے نام ایک خط لکھا گیا جس میں انہیں ذیل کے موضوعات پر ایک ایک ہزار کتابیں لکھنے اور چھپوانے کا اہتمام کرنے کی ہدایت کی گئی۔ "خدا کی قدرت وحکمت اور اس کی صفاتِ خیر جن کا اظہار اس کی تخلیقات سے ہوتا ہے اس پر قابل فہم دلائل وبراہین یکجا کرنا۔ مثلاً خدا کی مخلوقات میں پایا جانے والا تنوع، قسم قسم کے جانوروں، نباتات اور معدنیات کی دنیا، زندہ اجسام کا طریق ہاضمہ اور پھر اس خوراک کو اپنا جزو بدن بنالینا، انسان کے ہاتھ کی ساخت اور اس کی دیگر صلاحیتوں کی وجہ سے تخلیقات خداوندی کے دلائل سامنے لانا، علاوہ

ازیں آرٹس اور سائنس کے شعبوں میں قدیم اور جدید دریافتوں اور پورے ماڈرن لٹریچر کا ان حوالوں سے جائزہ لینا۔"

وجود خداوندی کے نشانات کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کی اس دعوت کا بہت سے سائنسدانوں نے جواب دیا۔ اس طرح بڑی گرانقدر تصانیف وجود میں آئیں۔ جن میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

(1) "THE ADAPTATION OF EXTERNAL NATURE TO THE MORAL AND INTELLECTUALL CONSTITUTION OF MAN" by THOMAS CHALMERS (1833)

(2) "CHEMISTRY, METEOROLOGY AND DIGESTION" by WILLIAM PROUT, M.D.(1834)

(3) "HISTORY, HABITS, AND INSTICNTS OF ANIMALS" by WILLIAM KIRBY (1835)

(4) "THE HANDS, AS EVINCING DESIGN", by SIR CHALES BELL (1837)

(5) "GEOLOGY AND MINEROLOGY" by DEAN BUCKLAND (1837)

(6) "THE ADAPTATION OF EXTERNAL NATURE TO THE PHYSICAL CONDITION OF MAN" by J.KIDD M.D.(1837).

(7) "ASTRONOMY AND GENERAL PHYSICS", by DR.WILLIAM WHEWELL (1839).

(8) "ANIMAL AND VEGETABLE PHYSIOLOGY" by P.M.ROGET M.D.(1840).

یہ سلسلہ مطبوعات مذہب اور سائنس کے اتصال وہم آہنگی کی صرف ایک مثال ہے۔ اس سے پہلے اور بعد کے بے شمار سائنسی مطالعات اور تحقیقات کے پیچھے یہ جذبہ کار فرما تھا کہ خدا کی پیدا کردہ کائنات کو سمجھا جائے اور اس کے ذریعہ اس کے خالق کی لامحدود قوتوں کا ادراک کیا جائے۔

سائنسدان برادری کا اس ابتدائی راستے سے انحراف 19 ویں صدی کے مغربی کلچر کے مادہ پرستانہ فلسفے کے غلبے کا نتیجہ تھا۔ یہ صورت حال بعض سماجی اور سیاسی عوامل کی وجہ سے پیدا ہوئی جس کا بھرپور اظہار ڈاروِن کا نظریہ ارتقا تھا۔ اس طرح نیا موقف ابتدائی نکتہ نظر کے بالکل منافی تھا اور نئی صورت حال یہ بنی کہ مذہب اور سائنس کے لئے حصول علم کے دو

ایسے ماخذ سامنے آ گئے جو ایک دوسرے سے متصادم تھے۔

اس صورت احوال کے بارے میں برطانیہ کے تین محققین مائیکل بیجنٹ (MICHAEL BAIGENT)، رچرڈ لی (RICHARD LEIGH) اور ہنری لنکن (HENRY LINCOLN) کا تبصرہ یہ تھا:

"ڈارون سے ڈیڑھ صدی پہلے آئزک نیوٹن کے لئے سائنس مذہب سے الگ نہیں تھی بلکہ اس سے بالکل برعکس یہ مذہب کا ایک پہلو تھی اور بالآخر اس کے تابع تھی ...... لیکن ڈارون کے زمانے کی سائنس نے خود کو مذہب سے نہ صرف بالکل الگ کر لیا بلکہ اس کی حریف کے طور پر سامنے آ گئی۔ یعنی یہ مطالب و معانی کا ایک متبادل ذخیرہ بن گئی۔ اس طرح مذہب اور سائنس کے درمیان ہم آہنگی ختم ہو گئی اور وہ دو مختلف سمتوں میں براجمان ہو گئے جس کی وجہ سے انسانیت مجبور ہو گئی کہ وہ دو میں سے کسی ایک کو منتخب کر لے۔"

(THE MESSIANIC LEGACY, GEORGE BOOKS, LONDON 1991, p.177-178)

تاہم آج حالات بدل چکے ہیں۔ مذہب اور سائنس کے درمیان مصنوعی تفریق کو سائنسی دریافتوں نے ہی حقائق کے منافی قرار دے دیا ہے۔ مذہب اعلان کرتا ہے کہ کائنات کو عدم سے وجود میں لایا گیا ہے اور سائنس نے اس حقیقت کے کئی ثبوت دریافت کر لئے ہیں۔ مذہب یہ تعلیم دیتا ہے کہ زندہ اشیا کو اللہ نے تخلیق کیا ہے اور سائنس نے زندہ اجسام کے ڈیزائن میں اس حقیقت کے شواہد دریافت کر لئے ہیں۔ مائیکل ڈینٹن نے اپنی تصنیف "مقدر فطرت" (NATURE'S DESTINY) کے آخر میں لکھا ہے:

"سائنس جو صدیوں الحاد اور تشکک کی حلیف رہی ہے بالآخر اس دوسرے ہزاریے کے اواخر میں نیوٹن اور متعدد دیگر اہل علم کی زبردست خواہش کے عین مطابق "بشر مرکزی عقیدے" (ANTHROPOCENTRIC FAITH) کی طرف واپس آ رہی ہے۔"

(MICHAEL DENTON, Nature's Destiny: How the Laws of Biology Reveal Purpose in the Universe, THE NEW YORK FREE PRESS 1998, p.239)

سائنس کے ثابت کردہ حقائق کو اپنے مقابل پا کر مادیت پرست عناصر اپنے مخصوص ہتھکنڈوں پر اتر آئے۔ انہوں نے باقیماندہ سائنس دان برادری پر دباؤ ڈالنا اور انہیں ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ مثلاً یہ کہ مغرب میں ہر سائنسدان کو اپنے شعبے میں ترقی پانے' ایم ڈی یا پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے یا سائنسی مجلّے میں اپنے مضامین چھپوانے کے لئے چند توقعات پر پورا اترنا پڑتا ہے۔ ان میں ایک توقع یا شرط یہ مقرر کر دی گئی کہ وہ نظریۂ ارتقا کو غیر مشروط طور پر قبول کرتا (کرتی) ہو۔ اس لئے بعض سائنسدان ڈاروِنی مفروضوں کا پرچم اٹھانے پر مجبور ہو گئے حالانکہ دلی طور پر وہ ان کو مسترد کرتے ہیں۔ تخلیق خداوندی کی نشانیوں سے انکار پر ان کی طبیعت ہی مائل نہیں ہوتی۔

امریکی مجلّہ "سائنٹیفک امریکن" کے ستمبر 1999 کے شمارے میں ایک مضمون 'امریکہ کے سائنسدان اور مذہب' کے عنوان سے شائع ہوا۔ مضمون نگار روڈنی سٹارک (RODNEY STARK) نے جو یونیورسٹی آف واشنگٹن میں سوشیالوجی پڑھاتا ہے' سائنسدانوں پر ڈالے جانے والے دباؤ کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا کہ:

> "سائنس سے متعلقہ افراد کی مارکیٹنگ کا سلسلہ 200 سال سے جاری ہے۔ سائنسدان کہلانے کے لئے تمہیں اپنا منہ بند کرنا اور مذہب کی جکڑ بندیوں سے خود کو آزاد رکھنا ہوگا .... ریسرچ یونیورسٹیوں میں مذہبی لوگ اپنے منہ بند رکھتے ہیں اور غیر مذہبی لوگ الگ تھلگ رہتے ہیں۔ انہیں خصوصی سلوک کے مستحق گردانا جاتا ہے اور انہیں اعلیٰ مناصب پر پہنچنے کے مواقع دیئے جاتے ہیں۔
> (EDWARD J.LARSON VE LARRY WITHAM,Scientists and Religion in America, SCIENTIFIC AMERICAN, SEP.1999, p.81).

مادہ پرستوں نے سائنس کے خلاف جو باقاعدہ مہم چلا رکھی اس کا ایک پہلو تو ان کے پروپیگنڈے کے وہ حربے ہیں جن کا ہم پیچھے ذکر کر چکے ہیں۔ اس پروپیگنڈہ میں

مخصوص نعروں کو مرکزی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ نعرے اس قسم کے ہوتے ہیں۔ ''مذہب سائنس سے متصادم ہے'' یا ''سائنس کو مادیت پسند ہونا چاہیے۔'' ایسے نعرے ایک خاص طریقے سے لوگوں کے اذہان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ آئیے اب دیکھتے ہیں کہ ان کے نعرے اور دعوے غیر منطقی اور ناپائدار کیوں ہیں؟

سائنسدانوں کے خلاف عہد متوسط کے کلیسا کا ردعمل

مذہب دشمن حلقے عام طور پر عہد متوسط کے کلیسا کی کجرویوں اور ردعمل کو مذہب کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کلیسا نے یورپ کو پسماندگی کی طرف دھکیلا اور شدید ظلم و زیادتی کا رویہ اپنائے رکھا۔ مذہب دشمن حلقوں کی کوششوں میں ایک عنصر یہ بھی شامل ہے کہ وہ عہد متوسط کے کلیسا کو مذہب کا نمائندہ قرار دے کر یہ پیغام دیتے ہیں کہ ''اگر مذہب پھیل گیا تو ہمیں عہد متوسط کی تاریکیوں میں دفن کر دیا جائے گا۔'' تاہم یہ امر حقیقت ہے کہ اس دور کے کلیسا کے طرز عمل اور اس دور کی مذہبی رسوم میں حقیقی مذہب کی نمائندگی نہیں ہو رہی تھی۔

کیتھولک کلیسا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لائی ہوئی سچی وحی کا راستہ ترک کر کے غلط رسوم وضع کر لی تھیں اس کی سرگرمیوں کا مذہب سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ بلاشبہ سائنس کو کلیسا کے ہاتھوں سخت نقصان پہنچا۔ کلیسا کے بلند مناصب پر براجمان پادری چند مخصوص لوگوں کے مفادات کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے۔ تاریخ کے اس دور کو مذہب اسلام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام مذہبی طبقے کی توہمات پر مبنی نہیں بلکہ قرآنی تعلیمات پر استوار ہے جو کہ کلام خداوندی ہے۔

کلیسا کے متعصب رویے' جس کا ایمانیات سے کوئی تعلق نہیں' کی ایک دلچسپ مثال یہ ہے کہ گلیلیو جیسے سائنسدانوں کو سخت ایذائیں پہنچائی گئیں حالانکہ وہ مذہب کے شیدائی لوگ تھے۔ (ان سائنسدانوں کے مذہبی عقائد کا تفصیلی جائزہ اس کتاب کے حصہ دوم میں

پیش کیا جائے گا) یہ مثال ایک بار پھر اس حقیقت کا اظہار کرتی ہے کہ سائنسدانوں کے ساتھ مذہبی اداروں ناروا سلوک اور ان پر ناجائز دباؤ دین کا تقاضا نہ تھا بلکہ مذہب کے مسخ شدہ تصور کا شاخسانہ تھا۔

کیتھولک چرچ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کا راستہ ترک کر کے مذہب کے منافی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ جس کے نتیجے میں گلیلیو جیسے سائنسدانوں کو بلاوجہ اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ تصویر ایک مذہبی عدالت میں گلیلیو پر مقدمہ چلائے جانے کا ایک منظر پیش کر رہی ہے۔

انجیل اور تورات کے حوالے سے مذہب پر تنقید

مادہ پرست لوگ جو سائنس اور مذہب کو ایک دوسرے کے دشمن قرار دینا چاہتے ہیں نہ صرف کیتھولک عیسائی بے جا سخت گیری کو بطور مثال پیش کرتے ہیں بلکہ تورات یا انجیل کے بعض حصوں کا حوالہ دے کر یہ بھی ثابت کرتے ہیں کہ یہ تعلیمات کس قدر سائنسی دریافتوں سے متصادم ہیں۔ تاہم ایک سچائی جسے وہ نظر انداز کرتے ہیں یا اس سے ناواقفیت کا بہانہ کرتے ہیں' یہ ہے کہ انجیل اور تورات کے متن تحریف شدہ ہیں۔ ان دونوں آسمانی کتابوں میں انسانوں نے بہت سی تو ہمات اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں۔ اس لئے ان کتابوں کو مذہب کی بنیادی ماخذ کے طور پر پیش کرنا غلط ہوگا۔

ان کے برعکس قرآن پورے کا پورا وحی الٰہی پر مشتمل ہے' اس میں رتی بھر تحریف نہیں ہوئی' اور نہ ہی ایک لفظ تک کی کوئی کمی بیشی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں کوئی تضاد یا کوئی غلطی موجود نہیں ہے۔ اس میں بیان کردہ حقائق سائنسی دریافتوں سے بے حد مشابہت رکھتے ہیں۔ مزید برآں متعدد سائنسی حقیقتیں جو آج منظر عام پر آ گئی ہیں قرآن نے 1400 سال پہلے ان کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ قرآن کا اہم معجزہ ہے جو اس کے کلام اللہ ہونے کے متعدد قطعی شواہد میں سے ایک ہے۔ (قرآن کے بیان کردہ سائنسی حقائق کا ذکر اگلے ابواب میں آئے گا)

مادہ پرست عناصر اپنے مقاصد کے لئے قرآن میں سے کسی آیت کا حوالہ دینے سے اسی لئے گریز کرتے ہیں اور اپنے مذہب دشمن نظریات کی حمایت میں انجیل یا تورات ہی سے الفاظ تلاش کرتے ہیں۔

سائنس کو مادہ پرست ثابت کرنے کی ناکام کوشش

ان سائنسدانوں کا ایک اور حربہ جسے مذہب کے خلاف وہ جی بھر کر استعمال کرتے ہیں یہ غیر منطقی پروپیگنڈا ہے کہ ''سائنس صرف مادے کا مطالعہ کرتی ہے لہٰذا اسے مادیت پرست ہی رہنا چاہیے''

دراصل یہ حربہ یا پروپیگنڈا لفظوں کے ہیر پھیر کے سوا کچھ نہیں ہے۔ معمولی سوچ بچار سے ہی اس کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ یہ درست ہے کہ سائنس صرف مادے کا مطالعہ کرتی ہے لیکن اس کے لئے اسے مادہ پرست ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ''مادے کا مطالعہ'' اور ''مادہ پرست ہونا'' الگ الگ چیزیں ہیں۔

جب ہم مادے کا مطالعہ کرتے ہیں' تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس مادے کے اندر ایک علم پوشیدہ ہے اور ایک مقصد (ڈیزائن) بھی پوشیدہ ہے جو از خود سامنے نہیں آ سکتا۔ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس میں یہ علم اور یہ مقصد کسی زبردست حکیم نے مضمر رکھا ہوا ہے اگرچہ ہم اس حکیم یا ہستی کو دیکھ نہیں پاتے۔ مثال کے طور پر ہم ایک غار کو دیکھتے ہیں جس کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں کہ اس میں پہلے کوئی شخص داخل ہوا تھا یا نہیں؟ جب ہم داخل ہوتے ہیں تو ہم اس کی ساخت دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہیں۔ اس کی دیواروں پر زبردست مہارت سے بنی ہوئی تصویریں پا کر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ہم سے پہلے کوئی ذہین لوگ یقیناً یہاں آئے ہیں دیواروں پر ایسی مہارت کے ساتھ نقش و نگار لامحالہ انہوں نے ہی بنائے ہیں۔ خواہ ہم ان ذہین لوگوں کو دیکھ سکیں یا نہیں لیکن تصویر ان کی یہاں آمد کا منہ بولتا ثبوت فراہم کر دیتی ہے۔

اگر ہم کسی عمارت میں داخل ہوں اور وہاں دیواروں پر خوبصورت پینٹنگ نقش و نگار پائیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ یہاں واقعی کوئی بہترین نقاش ہم سے پہلے آیا ہوگا۔ خواہ ہم اس وقت اس کو دیکھ نہیں پاتے پھر بھی اس کی ذہانت کا بخوبی اندازہ کر لیتے ہیں۔

چنانچہ یہی طریقہ کار ہے جس کے مطابق سائنس "فطرت" کا مطالعہ کرتی ہے اور یہ معلوم کرتی ہے کہ اس کے اندر ایک "نظم" اور ایک مقصد پنہاں ہے جس کی مادی عوامل کی مدد سے وضاحت نہیں ہو سکتی۔ "یہ نظم و مقصد" کسی مافوق المادہ ذہانت و حکمت نے پیدا کیا ہے۔ بالفاظ دیگر مادی دنیا خدا کی تخلیقی قوت اور اختیار کے بدیہی نشانات سے معمور ہے یہ نشانات سارے صفحہ ہستی پر پھیلے ہوئے ہیں جنہیں پہچاننے کے لیے چشم بصیرت اور عقل سلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔

مادہ پرستوں کا متعصبانہ نکتہ نظر

جو شخص ایک خاص نکتہ نظر کا حامی ہے اُسے یہ آزادی حاصل ہے کہ وہ اس امر کی سائنسی شواہد سے تصدیق کرائے اور اس مقصد کے لیے سائنٹیفک ریسرچ کرے۔ مثال کے طور پر ایک شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ زمین چپٹی ہے اور اس دعوے کی تائید میں تحقیق کر سکتا ہے۔ اہم مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنی حاصل کردہ معلومات (DATA) کی جانچ پڑتال کیسے کرتا ہے؟ ایک سائنسدان جو سائنسی نتائج کا بے لاگ اور غیر متعصبانہ جائزہ لینا چاہتا ہے اسے زمین کے چپٹی ہونے کے لئے کوئی شواہد نہیں ملیں گے۔

اس کے برعکس اسے ایسے بہت سے شواہد ملیں گے جو زمین کے بیضوی (ELLIPTICAL) ہونے کا ثبوت دے رہے ہوں گے موجودہ کیس میں اس شخص کے لئے لازمی اور معقول بات یہ ہوگی کہ وہ کسی تعصب کے بغیر سچ کو تسلیم کرے اور اپنے مفروضہ نظریات سے دستبردار ہو جائے۔

مادیت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مادہ کوئی قطعی یا قائم بالذات (ABSOLUTE) چیز نہیں ہے بلکہ یہ اپنا ایک آغاز رکھتا ہے مزید برآں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ فطرت میں ایک حیرت انگیز منصوبہ بندی (ڈیزائن) پائی جاتی ہے۔ اس لئے مادہ پرست سائنس دان مادے پر تحقیق کرتے وقت یہ بات معلوم کر چکے ہیں کہ ان کا نظریہ ناقابل اطلاق ہے اور اصل حقیقت حال ان کے دعوے کے بالکل برعکس ہے۔

تاہم دلچسپ بات یہ ہے کہ ایسے لوگ مادیت کے ساتھ اندھی عقیدت رکھتے ہیں اور نہایت ہٹ دھرمی کے ساتھ اپنے "یقین" پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے ماہر جینیات (GENETICIST) رچرڈ لیونٹن جو ایک معروف مادہ پرست اور علمبردار نظریہ ارتقاء ہے اس نے اپنے مادیت پرستانہ عقیدے کے سلسلے میں ان الفاظ میں عذر تراشا ہے:

"یہ بات نہیں کہ ہمیں سائنسی طریقے یا سائنسی ادارے مظاہر عالم کی غیر مادی توجیہات کو قبول کرنے سے روکتے ہیں بلکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم استدلال علت تا معلول (A PRIORI) کے تحت مادی اسباب کے ساتھ وفادار رہتے ہوئے ایک طریقہ تفتیش اور ایک سلسلہ تصورات وضع کرتے ہیں۔ خواہ وہ

کتنا ہی منافی وجدان اور کتنا ہی مضحکہ خیز کیوں نہ لگتا ہو۔ مزید برآں مادیت قائم بالذات حقیقت ہے، ہم خدا کے قدموں کو اپنے دروازے کی طرف بڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

(RICHARD LEWONTIN, The Demon Haunted World. THE NEW YORK REVIEW OF BOOKS. JAN. 9,1997, p.28).

یہاں لیونٹن نے تمام مادہ پرستوں کے حقیقی ذہنی میلانات کی پوری طرح ترجمانی کر دی ہے جیسا کہ اس نے تسلیم کیا ہے کہ مادہ پرستوں کی اولین وفاداری مادی نظریئے کے ساتھ ہے۔ وہ پہلے ایک نظریہ قائم کرتے ہیں بعد میں اس کی حمایت کے لئے ثبوت تلاش کرتے ہیں۔ یعنی مادہ پرستی کوئی ایسا نتیجہ نہیں ہے جس تک وہ کسی سائنسی تحقیق کے ذریعے پہنچے ہوں بلکہ ایک متعصبانہ سوچ ہے جو سائنس پر مسلط کی گئی ہے۔

ایک اور معبر وار ارتقا کے الفاظ بھی اسی تصور کے لئے جامہ بنے ہوئے ہیں۔ یہ رابرٹ شپیرو (ROBERT SHAPIRO) ہے جس نے اپنی کتاب "ORIGINS : A SKEPTIC'S GUIDE TO THE CREATION OF LIFE ON EARTH" میں نظریۂ ارتقاء کے بارے میں لکھا ہے کہ۔

"مستقبل میں کوئی ایسا دن آ سکتا ہے جب آفرینشِ حیات کا امکانی آغاز معلوم کرنے کے سلسلے میں ہمارے تمام معقول کیمیائی تجربے بالکل ناکام ہو جائیں پھر نئے ارضیاتی شواہد زمین پر زندگی کے اچانک نمودار ہو جانے کا پتہ دے دیں یا آخر میں کائنات کی تحقیق کرنا پڑ جائے اور پھر بھی ہم اس میں ابتدائے آفرینش کا کہیں بھی کوئی سراغ نہ لگا سکیں۔ ممکن ہے اس وقت بعض سائنسدان اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے مذہب کی طرف رجوع کریں۔ دوسرے لوگ بشمول میرے کم درجے کی باقیماندہ سائنسی وضاحتوں کی اس امید پر چھان پھٹک شروع کر دیں گے کہ ان میں سے جو وضاحت بھی قدرے معقول دکھائی دے اسے قبول کر لیا جائے۔"

رابرٹ شپیرو

اس اقتباس میں "سائنسی وضاحتوں" سے شپیرو کی مراد "مادی وضاحتیں" ہیں۔ مادہ پرستی کے ساتھ اندھی عقیدت نے شپیرو اور اس جیسے ہزاروں دیگر افراد کو جنون کی حد تک تشکیک اور فقدانِ ایمان کے اندھیرے میں دھکیل دیا ہے۔ جن خیالات کا انہوں نے اظہار کیا ہے ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ "شواہد خواہ کچھ بھی ہوں وہ اللہ پر ایمان نہیں لائیں گے۔"

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس اخلاقی مرض میں صرف موجودہ دور کے مادہ پرست ہی مبتلا نہیں ہیں۔ قرآن مجید نے ایسے بے شمار لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے حالت کفر میں رہنے کا تہیہ کر رکھا تھا۔ مثال کے طور پر اہل مصر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کئی معجزے دکھا دیے جانے کے باوجود کہا۔ "خواہ آپ کیسی بھی نشانیاں دکھا کر ہمیں مسحور کر دیں، ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔" آج کے مادیت پسندوں کا مزاج بھی وہی ہے۔ چنانچہ خدا ان کا حوالہ یوں دیتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ○ (سورۃ الانعام، آیت 25)

(ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر تمہاری بات سنتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس کو کچھ نہیں سمجھتے اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے (کہ سب کچھ سننے پر بھی کچھ نہیں سنتے) وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں اس پر ایمان لا کر نہ دیں گے۔ حد یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس آ کر تم سے جھگڑتے ہیں تو ان میں سے جن لوگوں نے انکار کا فیصلہ کر لیا ہے وہ (ساری باتیں سننے کے بعد) یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک داستان پارینہ کے سوا کچھ نہیں۔)

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ○ (سورۃ الانعام، آیت 109)

(یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی (یعنی معجزہ) ہمارے

سامنے آ جائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔ اے نبی ان سے کہو کہ "نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں۔ اور تمہیں کیسے سمجھایا جائے کہ اگر نشانیاں آ بھی جائیں تو یہ ایمان لانے والے نہیں۔

قرآن کے سائنسی معجزات

خدا نے چودہ سو سال قبل قرآن مجید انسان کے لئے ہدایت کے لئے نازل فرمایا اور اہل دنیا سے کہا کہ وہ اس کتاب کو سینے سے لگائیں اور سچائی کی راہ پر گامزن ہونے کے لئے اس سے رہنمائی حاصل کریں۔ یہ آخری آسمانی کتاب اپنے یوم نزول سے لے کر قیامت تک پوری انسانیت کے پاس ایک جامع اور کامل رہنما کے طور پر موجود رہے گی۔

قرآن کے بے مثل و بے نظیر انداز بیان اور اس میں مضمر حکمت و دانش، اس کے کلام الٰہی ہونے کا قطعی اور واضح ترین ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی بہت سی معجزاتی خصوصیت بھی اس کے منزل من اللہ ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ ان خصوصیات میں ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ ہم نے 20 ویں صدی کی ٹیکنالوجی کی مدد سے جو سائنسی سچائیاں آج دریافت کی ہیں وہ قرآن نے 1400 سال پہلے بیان کر دی تھیں۔

قرآن مجید واقعتاً تو سائنس کی کتاب نہیں ہے تاہم اس میں متعدد سائنسی حقائق جو مختلف آیات میں نہایت اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس وقت بیان کر دیئے گئے تھے ہم انہیں اب 20 ویں صدی کی ٹیکنالوجی کی مدد سے اب معلوم کر سکے ہیں۔ یہ حقائق زمانہ نزول قرآن میں کسی کو معلوم نہ تھے جو کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے ایک مزید ثبوت ہے۔

قرآن کے سیاسی معجزے کو سمجھنے کے لئے پہلے ہمیں اس دور کی سائنس کی سطح کا جائزہ لینا ہو گا جب قرآن مجید کا نزول شروع ہوا۔ 7 ویں صدی میں قرآن نازل ہوا تو سارا عرب معاشرہ توہمات اور بے بنیاد عقائد پر استوار تھا۔ کائنات اور فطرت کے راز معلوم کرنے کے لئے کوئی ٹیکنالوجی موجود نہیں تھی اور لوگ اپنی پچھلی نسلوں سے سنی سنائی ہوئی داستانوں اور حکایتوں کو ہی حقیقت سمجھتے تھے۔ مثلاً ایک مفروضہ یہ تھا کہ آسمان پہاڑوں کے سہارے کھڑے ہیں۔ یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ زمین چپٹی ہے جس کے دونوں سروں پر پہاڑ ہیں اور آسمان کی محرابی چھت انہی پر ٹکی ہوئی ہے۔ قرآن مجید نے اس غلط فہمی کو یوں دور کیا کہ سورۃ الرعد کی دوسری آیت میں بتا دیا۔

اللّٰہ الذی رفع السمٰوات بغیر عمد

(وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو سہاروں کے بغیر قائم کیا

اس آیت نے آسمان کے بارے میں اس عقیدے کو باطل قرار دے دیا کہ اسے پہاڑوں نے سہارا دے رکھا ہے۔ اسی طرح قرآن نے اور بہت سے حقائق کا انکشاف کر دیا جنہیں جاننے کے کوئی ذرائع اس زمانے میں موجود نہ تھے۔ فلکیات، طبیعیات یا حیاتیات کے بارے میں لوگوں کی معلومات نہ ہونے کے برابر تھیں۔ قرآن نے انہیں مختلف موضوعات کے کلیدی حقائق سے مطلع کر دیا مثلاً کائنات اور بنی نوع انسان کی تخلیق، خلائے بسیط کی ساخت اور اس نازک توازن کی حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا جس کی بدولت زمین پر زندگی ممکن ہو سکی ہے۔

آیئے ہم چند سائنسی معجزات پر نگاہ ڈالیں جو قرآن نے یکجا بیان کر دیئے ہیں۔

کائنات کی تخلیق

قرآن میں کائنات کی تخلیق کا ذکر سورۃ الانعام کی آیت [101] میں کیا گیا ہے۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے)

قرآن میں دی ہوئی یہ اطلاع دورِ حاضر کی سائنس کی دریافتوں کے عین مطابق ہے۔ آج کی فلکی طبیعیات (ASTROPHYSICS) اس نتیجے پر پہنچ چکی ہے کہ پوری کائنات اپنی پوری مادی وسعتوں سمیت ایک عظیم دھماکے کے نتیجے میں ظہور

پذیر ہوئی تھی۔ اس واقعے کو "بگ بینگ" (BIG BANG) یا "انفجار عظیم" کہا جاتا ہے۔ "بگ بینگ" سے ثابت ہوتا ہے کہ کائنات ایک نکتے سے عدم سے وجود میں آئی۔ جدید سائنسی حلقے اس بات پر متفق الرائے ہیں کہ کائنات کے آغاز اور اس کے وجود کی واحد معقول اور قابل ثبوت وضاحت "بگ بینگ" ہی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے مادے (MATTER) کا وجود ہی نہ تھا۔ "حالت عدم" (CONDITION OF NON-EXISTENCE) تھی جس میں نہ مادہ تھا نہ توانائی تھی اور نہ ہی وقت موجود تھا۔ اسے مابعد الطبعیاتی طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ مادے، توانائی اور وقت کو ایک ساتھ تخلیق کیا گیا۔ ماڈرن فزکس نے اس حقیقت کو صرف حال ہی میں دریافت کیا ہے لیکن قرآن نے اس کا 1400 سال قبل اعلان کر دیا تھا۔

امریکہ کے ادارہ خلائی تحقیق (NASA) نے 1992 میں جو خلائی سیارہ "COBE" چھوڑا تھا اس میں لگے ہوئے حساس آلات نے "بگ بینگ" کے بقیہ جو مشاہدہ کیا وہ اس عظیم دھماکے کا صحیح ثبوت ہیں۔ یہ کائنات کے عدم سے وجود میں آنے کی سائنسی وضاحت ہے۔

کائنات کی وسعت پذیری

قرآن مجید نے کائنات کے پھیلاؤ کا انکشاف چودہ سو سال پہلے کر دیا تھا۔ جبکہ فلکیات کی سائنس ابھی اپنے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی۔ قرآن میں اسے یوں بیان کیا گیا ہے۔

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُوسِعُونَ ۝ (سورۃ الذاریات آیت 47)

(آسمان کو ہم نے اپنے زور سے بنایا ہے اور ہم اس میں مسلسل توسیع کر رہے ہیں)

اس آیت میں "آسمان" کا لفظ قرآن کریم میں دیگر بہت سے مقامات کی طرح خلا اور کائنات کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور قرآن نے انکشاف کیا ہے کہ کائنات میں مسلسل و پیہم "توسیع" کی جا رہی ہے اور یہ آج کے دور کی سائنس کے اخذ کردہ نتائج میں سے بہت اہم نتیجہ ہے۔

20 ویں صدی کی آمد تک دنیائے سائنس میں ایک ہی نظریہ مروج تھا کہ "کائنات بالکل غیر متغیر اور مستقل نوعیت رکھتی ہے اور لا متناہی عرصے سے ایسی ہی چلی آ رہی ہے" تاہم تحقیق و مشاہدہ اور ریاضیاتی جانچ پڑتال، جو جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے جاری تھی، اس سے انکشاف ہوا کہ اس کائنات کا ایک نقطہ آغاز بھی تھا اور اس وقت سے یہ مسلسل پھیل رہی ہے۔

20 ویں صدی کے شروع میں روسی ماہر طبعیات الیگزینڈر فرائیڈ مین اور بلجیم کے ماہر علم تکوین عالم (COSMOLOGIST) جارجز لیمیٹر کے جمع کردہ نظری حساب کتاب سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ کائنات مسلسل حرکت کر رہی ہے اور وسیع سے وسیع تر ہو رہی ہے۔ اس انکشاف کی 1929 کے مشاہدات سے تصدیق ہو گئی۔ امریکی ماہر فلکیات ایڈوین ہبل نے اپنی دور بین سے آسمان کا مشاہدہ کرنے کے بعد
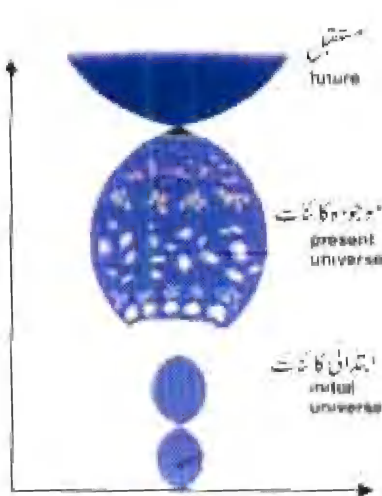
انکشاف کیا کہ ستارے اور کہکشائیں ایک دوسری سے مسلسل دور ہٹ رہی ہیں۔ ایک ایسی کائنات جس میں ہر چیز دوسری چیز سے پرے پرے ہٹتی جا رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلسل پھیل رہی ہے۔ بعد کے برسوں کی تحقیق بھی اس مشاہدے کی تصدیق کرتی رہی ہے۔ قرآن نے یہ حقیقت اس وقت بیان کر دی تھی کہ جب کسی کو اس کا وہم و گمان تک نہ تھا۔ یہ اس لئے کہ قرآن اس خدا کا کلام ہے جو پوری کائنات کا خالق و مالک اور حکمران حقیقی ہے۔

مدار

قرآن میں سورج اور چاند کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات زور دے کر کہی گئی ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے مقررہ مدار میں حرکت کر رہا ہے:

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ○ (سورۃ الانبیاء، آیت 33)

(اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن بنائے اور سورج اور چاند کو پیدا کیا سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں)

ایک اور آیت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سورج ساکن نہیں بلکہ ایک معین مدار میں گردش کر رہا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○

(سورۃ یٰسین، آیت 38)

اور سورج، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ ایک زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے)

قرآن کے بیان کردہ یہ حقائق جدید دور کے فلکیاتی مشاہدوں میں اب آ سکے ہیں۔ ماہرین علم فلکیات کے جمع کردہ اعداد و شمار کے مطابق سورج 720,000 کلومیٹر فی گھنٹہ کی بے حد تیز رفتار سے ایک انتہائی روشن ستارے "ویگا" (VEGA) کی سمت رواں دواں ہے اور اس کی یہ گردش اس کے مخصوص مدار میں ہے جسے ماہرین نے "سولر ایپکس" (SOLAR APEX) کا نام دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج دن میں اندازاً 17,280,000 کلومیٹر سفر کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تمام سیارے (PLANETS) اور طفیلی سیارچے (SATELLITES) بھی شمسی نظام تجاذب کے تحت اتنا ہی فاصلہ طے کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں تمام ستارے (STARS) بھی اسی طرح ایک طے شدہ

نظام کے مطابق محوِ گردش ہیں۔ چنانچہ پورا اوزون کا کائنات راستوں اور مداروں سے بھرا ہوا ہے جس کا قرآن مجید کی سورۃ الذاریات کی آیت 7 میں یوں ذکر آیا ہے

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ۝

(قسم ہے متفرق شکلوں والے آسمان کی)

کائنات میں کم و بیش 200 ارب کہکشائیں ہیں جن میں سے ہر ایک میں 200 ارب ستارے ہیں۔ ان میں سے بیشتر ستاروں کے اپنے سیارے ہیں اور بہت سے سیاروں کے طفیلی سیارچے ہیں۔ یہ سب اجرام فلکی اپنے اپنے مقررہ مداروں میں گھومتے ہیں اور لاکھوں سال سے انتہائی نظم و ضبط کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر گردش کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے دمدار ستارے (COMETS) بھی اپنے مقررہ مداروں میں گھوم رہے ہیں۔ کائنات میں یہ مدار صرف انہی اجرام فلکی کے لئے مخصوص نہیں ہیں کہکشاں بھی نہایت تیز رفتاری سے مقررہ مداروں میں متحرک رہتی ہیں۔ اس نقل و حرکت
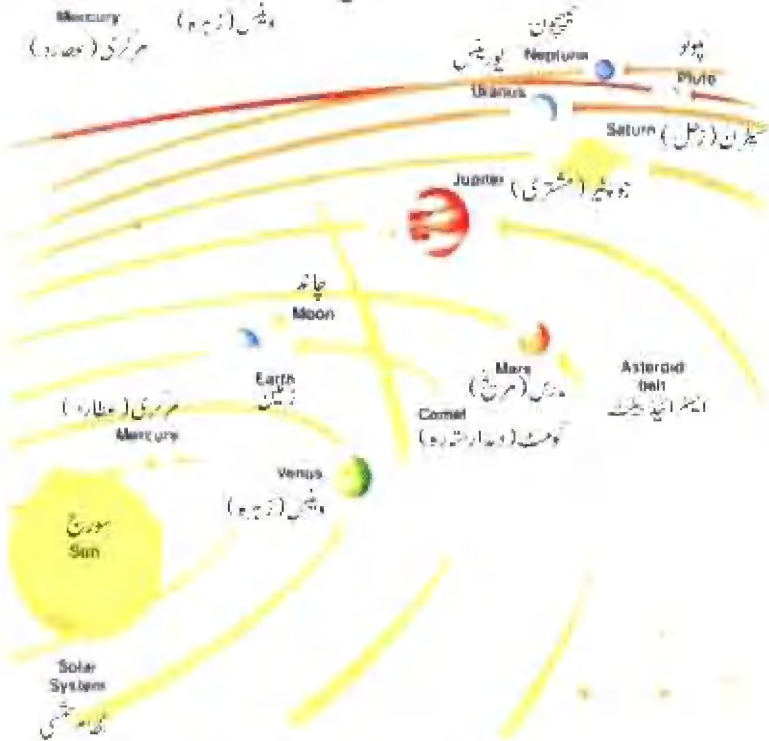
کے دوران مختلف اجرام فلکی ایک دوسرے کا راستہ نہیں کاٹتے اور نہ ہی ان کے درمیان کوئی تصادم ہوتا ہے۔ ایک عظیم "کمپیوٹر" انتہائی صحت اور زبردست احتیاط کے ساتھ ان کے راستوں اور رفتاروں کو کنٹرول کر رہا ہے۔

یہ یقینی امر ہے کہ جس زمانے میں قرآن نے یہ انکشاف کئے بنی نوع انسان کے پاس آج کی دوربینیں یا ترقی یافتہ مشاہداتی ٹیکنالوجی نہیں تھی جس سے لاکھوں کلومیٹر دور محو گردش اجرام کا مشاہدہ کیا جا سکتا اور نہ ہی علم طبعیات اور علم فلکیات اس درجے پر پہنچے ہوئے تھے کہ انسان کی رہنمائی کر سکتے لہٰذا اس وقت اس امر کا سائنسی طور پر تعین کرنا ممکن نہیں تھا کہ خلاء راستوں اور مداروں سے پُر ہے جیسا کہ آیت میں بیان کیا گیا ہے تاہم قرآن نے ہمیں اسی وقت واضح طور پر مطلع کر دیا کیونکہ قرآن خدا کا کلام ہے۔

آسمان...... ایک محفوظ چھت

قرآن ہماری توجہ آسمان کی ایک دلچسپ خصوصیت کی طرف مبذول کراتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ (21 سورۃ الانبیاء، 32)

(اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا مگر یہ ہیں کہ کائنات کی نشانیوں پر توجہ ہی نہیں کرتے)

آسمان کی اس خصوصیت کا ثبوت 20 ویں صدی کی سائنسی تحقیق سے ملا ہے۔ زمین کے گردو پیش کی فضا زندگی کے تسلسل میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ چھوٹے بڑے بہت سے شہابیے (METEORS) جب زمین کے قریب آتے ہیں تو یہ ان کو تباہ کر کے گرنے سے روک دیتی ہے۔ اس طرح زندہ اجسام ان کی زد میں آنے سے محفوظ رہتے ہیں۔

زمینی فضا اس کے علاوہ خلا سے آنے والی روشنی کی ان شعاعوں کو فلٹر (مقطر) کر دیتی ہے جو زندہ اجسام کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ اور صرف غیر مضر اور مفید شعاعوں یعنی "مرئی روشنی" "بالائے بنفشی" (NEAR-ULTRAVOILET) اور ریڈیائی لہروں کو گزرنے دیتی ہے۔ یہ تمام تابکاری زندگی کے لئے بے حد ضروری اور مفید ہوتی ہے۔ "بالائے بنفشی" شعاعیں جنہیں جزوی طور پر آنے دیا جاتا ہے پودوں کی ضیائی تالیف

جیسا کہ اس تصویر میں دکھائی دے رہا ہے خلا میں آوارہ پھرنے والے اجرام فلکی زمین کی سلامتی کے لئے سنگین خطرہ بن سکتے تھے تاہم خالق حقیقی نے جو زبردست حکمت والا ہے فضا سے ہمارے لئے ایک محفوظ چھت بنا دی ہے۔

(PHOTOSYNTHESIS) جانداروں کی زندگی کے لئے ناگزیر ہوتی ۔ سورج سے نکلنے والی "شدید بالا بنفشی" (INTENSE ULTRAVOILET) شعاعوں میں سے بیشتر کو اوزون کی تہہ فلٹر کر دیتی ہے اور صرف اس تھوڑی سی تعداد کو زمین تک آنے دیتی ہے جو بقائے زندگی کے لئے ناگزیر ہوتی ہے۔

زمینی فضا کا یہ حفاظتی کردار یہیں تک محدود نہیں۔ یہ زمین کو یخ سردی سے ٹھٹھر کر مردہ ہو جانے سے بھی محفوظ رکھتی ہے۔ خلائی یہ سردی ''منفی 270'' درجہ سنٹی گریڈ تک ہوتی ہے۔

زمین کو نقصان دہ اثرات سے صرف فضا ہی نہیں بچاتی اس کے علاوہ ایک اور تہہ بھی حفاظتی کردار ادا کرتی ہے۔ یہ ''وان ایلن بیلٹ'' (VAN ALLEN BELT) ہے جو زمین کے مقناطیسی میدان کی وجہ سے بنتی ہے۔ (یہ اشعاعی پٹی بیسویں صدی کے وسط میں ایک امریکی ماہر طبیعیات نے دریافت کی تھی ان کا نام انہی کے نام پر رکھ دیا گیا ہے) سورج اور

دیگر ستاروں سے مسلسل نکلنے والی مضر تابکاری کو روکنے میں وان ایلن بیلٹ بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ تابکاری زندہ اجسام کے لئے شدید طور پر مضر اثرات رکھتی ہے۔ اگر یہ پٹی نہ ہوتی تو سورج سے نکلنے والی انرجی جو بکثرت خارج ہوتی رہتی ہے روئے زمین پر زندگی کا بالکل خاتمہ کر دیتی۔ یہ چونکہ زبردست ہیجان کے ساتھ نکلتی ہے اس لئے اسے ''سورج کے شعلے'' (SOLAR FLARES) کہا جاتا ہے۔

حالیہ برسوں کی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ صرف ایک شعلے سے نکلنے والی انرجی (ہیرو شیما پر گرائے گئے بموں کے حوالے سے) 100 ارب ایٹم بموں کی تباہ کاری کے مساوی ہوتی ہے۔ ہیروشیما پر ایٹم بم گرانے کے 58 گھنٹے کے بعد انکشاف ہوا تھا کہ کمپاس کی مقناطیسی سوئیوں میں غیر معمولی ارتعاش پیدا ہوا ہے اور سطح زمین سے 250 کلومیٹر کی بلندی پر فضا کا درجہ حرارت اچانک 2500 ڈگری سینٹی گریڈ تک جا پہنچا ہے۔

مختصر یہ کہ زمین کے اوپر زبردست حفاظتی نظام قائم ہے۔ یہ کرۂ ارض کو بیرونی خطرات سے بچا رہا ہے۔ سائنس دانوں کو اس حفاظتی نظام کے بارے میں اب پتہ چلا ہے لیکن قرآن مجید نے ہمیں کئی صدیاں پہلے مطلع فرما دیا تھا۔

دونوں وان ایلن پٹیوں نے زمین کو اپنے حفاظتی حصار میں لے رکھا ہے۔ ان میں چارج شدہ برقی ذرات الیکٹرانز اور پروٹانز بھی شامل ہیں۔ یہ مرغولے کی شکل میں دائرہ میں گردش کرتے ہیں۔

(1) زمین (2، 3) مقناطیسی پٹیاں جن دونوں نے زمین کو اپنے گھیرے میں لیا ہوا ہے۔
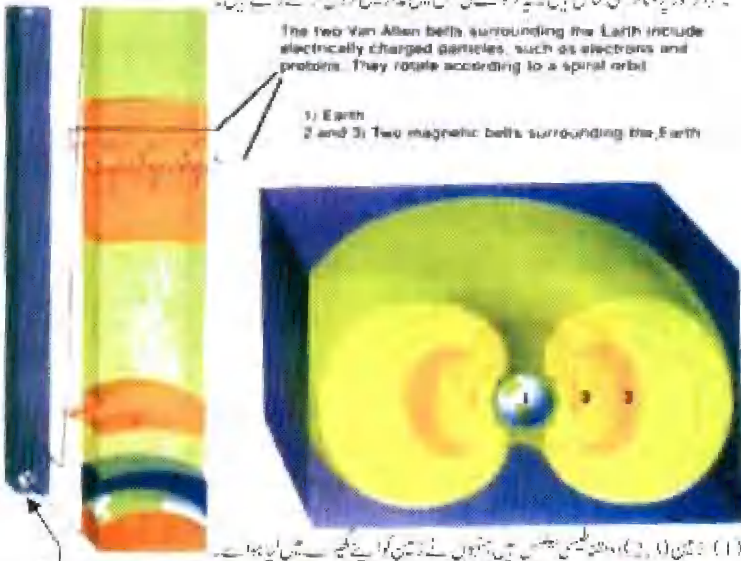
وان ایلن بیلٹ جو زمین کے مقناطیسی میدان سے متعلق ہے زمین کو بالائی تابکاری سے بچاتی ہے۔

واپس بھیجنے والا آسمان

قرآن مجید کی سورۃ الطارق کی 11 ویں آیت میں آسمان کے "واپس بھیجنے" کی کارکردگی کا حوالہ دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے:۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ○
(قسم ہے بارش برسانے والے آسمان کی)

بارش برسنا، چونکہ آبی بخارات کے پانی بن کر زمین پر واپس آنے کے عمل کا نام ہے اس لئے اسے "وارزوی یا" دوری" (CYCLICAL) عمل بھی کہا جا سکتا ہے۔

جیسے کہ ہم جانتے ہیں کہ زمین کے گردا گرد کی فضا کی تہوں (LAYERS) پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ہر تہہ زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے کسی نہ کسی اہم فرض کو پورا کر رہی ہے۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تہیں بعض مادوں یا شعاعوں کو زمین پر واپس بھیج دیتی ہیں یا فضا میں اچھال دیتی ہیں۔ آیئے ہم زمین کو اپنے احاطے میں رکھنے والی ان تہوں کی وارزوی (RECYCLING) کارکردگی کا جائزہ لیں۔

- زمین پر پہلی تہہ یعنی کرۂ اول (TROPOSPHERE) 13 سے 15 کلومیٹر تک ہوتی ہے۔ زمین سے اٹھنے والے آبی بخارات جب ان تک پہنچتے ہیں تو یہ تہہ انہیں گاڑھا کر کے پانی کی شکل دے دیتی ہے اور وہ بارش کی شکل میں زمین پر واپس آ جاتے ہیں۔
- اوزون کی تہہ یا اوزونوسفیر (OZONOSPHERE) 25 کلومیٹر تک بلند ہوتی ہے۔ یہ فضا سے آنے والی بالائے بنفشی روشنی کو واپس منعکس کر دیتی ہے۔ یہ سخت نقصان دہ تابکاری ہوتی ہے۔ اوزون کی تہہ اگر اسے واپس خلا میں نہ پھینک دیتی تو زندہ اجسام کو بہت نقصان پہنچتا۔
- اس سے اوپر کرۂ روانیہ (IONOSPHERE) ہے جو زمین سے چلنے والی ریڈیائی لہروں کو زمین پر واپس منعکس کر دیتا ہے۔ یہ ایک قسم کے منفعل مواصلاتی سیارے کی طرح کام کرتا ہے اور دور دور کے وائرلیس پیغامات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی نشریات سننا ہمارے لئے ممکن بنا دیتا ہے۔
- کرۂ مقناطیسیت وہ تہہ ہوتی ہے جو سورج اور دوسرے ستاروں سے نکل کر آنے والے ریڈیائی ذرات کو زمین پر پہنچنے سے روکتی ہے یعنی یا انہیں دوبارہ فضا میں پھینک دیتی ہے۔

سائنسدانوں نے فضائی تہوں کی ان خصوصیات کا ماضی قریب میں پتہ چلایا جن کا قرآن مجید نے صدیوں پہلے حوالہ دے دیا تھا۔ اس طرح یہ حقیقت بھی قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا ثبوت ہے۔

فضائی تہوں کی مزید تفصیلات

مختلف آیات قرآنی میں ایک حقیقت یہ بتائی گئی ہے کہ آسمان سات تہوں پر مشتمل ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (سورۃ ۲ آیت ۲۹)

(وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ پھر اوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کئے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔)

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ۝ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ (سورۃ حم السجدۃ آیت ۱۱، ۱۲)

(پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا اس نے آسمان اور زمین سے کہا "وجود میں آ جاؤ خواہ تم چاہو یا نہ چاہو" دونوں نے کہا "ہم آ گئے فرمانبرداروں کی طرح" تب اس نے دو دن کے اندر آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کا قانون وحی کر دیا اور آسمان دنیا کو ہم نے چراغوں سے آراستہ کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ سب کچھ ایک زبردست علیم ہستی کا منصوبہ ہے)

"لفظ" آسمان قرآن کی بہت سی آیات میں زمین کے اوپر والے آسمان کے لئے بھی استعمال ہوا ہے اور پوری کائنات کے لئے بھی۔ پہلے معنوں میں یہ آسمان زمین کے لئے اور دوسرے معنوں میں اس کا مطلب فضا کی سات تہیں (LAYERS) ہیں۔

آج کا ہر فرد و بشر اس امر سے آگاہ ہے کہ فضائے دنیا سات مختلف تہوں پر مشتمل ہے۔ سب تہیں ایک دوسری کے اوپر بڑی مہارت اور نفاست کے ساتھ استوار کی گئی ہیں۔ سائنسی زبان میں اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سائنسدانوں نے اپنے طور پر معلوم کیا ہے کہ خلاء بسیط ئی تہوں پر مشتمل ہے۔ یہ تہیں ایک دوسری سے "دباؤ" (PRESSURE) اور "گیسوں کی اقسام" جیسی طبعی خصوصیات کے لحاظ سے مختلف وجود رکھتی ہیں۔ زمین سے قریب ترتہہ کو نزد اول یا ٹروپو سفیئر (TROPOSPHERE) کا نام دیا گیا ہے۔ کل فضائی مادے کا 90 فیصد حصہ اسی کرے

میں شامل ہے۔ اس کے اوپر کی تہہ کو کرہ قائمہ یا سٹریٹوسفیر (STRATOSPHERE) کہتے ہیں۔ اوزونی تہہ (OZONE LAYER) سٹریٹوسفیر کا حصہ ہے جہاں بالائے بنفشی شعاعوں کا انجذاب عمل میں آتا ہے۔ کرہ قائمہ کے اوپر والی تہہ کو میزوسفیر (MESOSPHERE) کہتے ہیں۔ اس کے اوپر تھرموسفیر (THERMOSPHERE) یا ''حرکرہ'' واقع ہے۔ اس تہہ کے اندر موجود روانیت یافتہ (IONIZED) گیسوں کو کرہ روانیہ (IONOSPHERE) کہا جاتا ہے۔ زمینی فضا کا کل بیرونی حصہ 480 کلومیٹر سے لے کر 960 کلومیٹر تک ہوتا ہے۔ اس حصے کو ''فضائے بالا'' یا ایکسوسفیر (EXOSPHERE) کہا جاتا ہے۔ اگر ہم ان تہوں کی تعداد کو شمار کریں تو یہ بالکل سات بنتی ہے جیسا کہ اس آیت میں آیا ہے۔

(1) TROPOSPHERE کرہ اول
(2) STRATOSPHERE کرہ قائمہ
(3) OZONOSPHERE کرہ اوزونیہ
(4) MESOSPHERE کرہ میزونیہ
(5) THERMOSPHERE کرہ حر
(6) IONOSPHERE کرہ روانیہ
(7) EXOSPHERE کرہ فضائے بالا

اس مسئلے پر ایک اہم معجزے کا ذکر سورۃ حٰم سجدہ کی آیت 12 میں آیا ہے۔

وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا

(اور ہر آسمان میں اس کا قانون وحی کر دیا)

بالفاظ دیگر اس آیت میں خدا بیان فرماتا ہے کہ اس نے ہر آسمان (تہہ) کو ایک ڈیوٹی سونپ دی۔ جیسا کہ ہم پچھلے صفحے میں بتا آئے ہیں کہ ان میں سے ہر تہہ کو انسان اور اس زمین پر پائے جانے والے جانداروں کی مفادات کے لئے اہم فرائض کی ادائیگی کا حکم دے دیا گیا ہے۔ ہر تہہ ایک خاص کام انجام دے رہی ہے جو بارش برسانے سے لے کر نقصان دہ شعاعوں کو زمین پر آنے سے روکنے، ریڈیائی لہروں کو منعکس کرنے اور شہابیوں کے مضر اثرات کو زائل کرنے کے کاموں تک تفویض کردہ فرائض میں منہمک ہے۔

عظیم معجزہ ہے کہ یہ حقائق 20 ویں صدی کی ٹیکنالوجی وجود میں آئے بغیر انسان کے علم میں کبھی نہ آسکتے تھے جو قرآن نے چودہ سو سال پہلے منکشف فرما دیئے تھے۔

پہاڑوں کی کارکردگی

قرآن ہمیں پہاڑوں کی بے حد اہم ارضیاتی کارکردگی کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ مثلاً سورۃ الانبیاء کی آیت 31 میں فرمایا گیا ہے:

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ۔

(''اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیئے تا کہ وہ انہیں لے کر ڈھلک نہ جائے۔)

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے کہ پہاڑ اس لیے نصب کیے گئے ہیں کہ زمین جھٹکے کھانے سے محفوظ رہے۔ نزول قرآن سے پہلے یہ حقیقت کسی کو معلوم نہیں تھی۔ یہ جدید علم طبقات الارض کے انکشافات میں سے ہے۔ جس کے مطابق پہاڑ قشر زمین (EARTH'S CRUST) بنانے والی عظیم پلیٹوں کی حرکت اور ان کی ایک دوسری سے رگڑ اور مسلسل ٹکراؤ کے نتیجے میں تشکیل پاتے ہیں۔ جب دو پلیٹیں آپس میں متصادم ہوتی ہیں تو ان میں جو مضبوط تر ہوتی ہے وہ دوسری کے نیچے گھس جاتی ہے اور اوپر والی خم کھا کر بلندی اختیار کر لیتی ہے اس طرح پہاڑ وجود میں آ جاتا ہے۔ جبکہ نیچے والی تہہ زمین کے نشیب میں زیریں جانب بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس طرح ایک گہرائی عمل میں آنے لگتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑوں کا ایک حصہ نیچے کی جانب بھی ہوتا ہے جو سطح زمین سے نظر آنے والے حصے کے تقریباً مساوی ہوتا ہے۔

بہ الفاظ دیگر پہاڑ سطح زمین کے نیچے اور اوپر سے آگے کی طرف بڑھتے ہوئے قشر ارض کی پلیٹوں کو آپس میں بھینچتے ہیں جس سے زمین کی مضبوطی بڑھتی ہے۔ مختصر طور پر ہم پہاڑوں کو میخوں سے تشبیہ دے سکتے ہیں جو زمین کے مختلف حصوں کو اسی طرح جوڑتے ہیں جیسے میخیں لکڑی کے ٹکڑوں کو آپس میں جوڑتی ہیں۔ ذیل کی قرآنی آیت میں بھی پہاڑوں کو میخوں کے مماثل قرار دیا گیا ہے:۔

الم نجعل الارض مهادا ۝ والجبال اوتادا ۝ (سورۃ النبأ آیات 6 اور 7)

(کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔)

سائنسی لٹریچر میں پہاڑوں کے "کار پیوستگی" کو ہم "توازنیت" (ISOSTASY) کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ "قشر ارض میں ایسا عام توازن جو سطح زمین کے نیچے چٹانی مادوں کے بہاؤں کو یکساں بنا کر قائم کیا جائے۔"

"پہاڑوں کے اس اہم کردار کا پتہ ماڈرن جیالوجی اینڈ سسمک ریسرچ کے ذریعے چلایا گیا ہے جسے قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی حکمت تخلیق کے طور پر صدیوں پہلے بے نقاب کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک اور آیت یہ ہے:

والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم ۝ (سورۃ لقمان آیت 11)

(اس نے زمین میں پہاڑ جما دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈھلک نہ جائے)
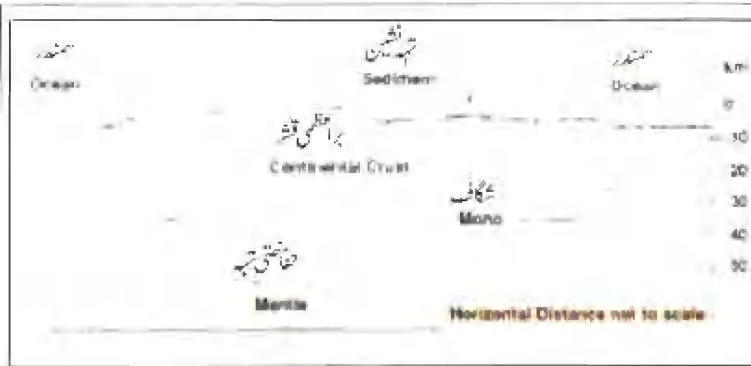
پہاڑوں کی گہری جڑیں جو زمین میں دور تک پھیلی ہوتی ہیں۔
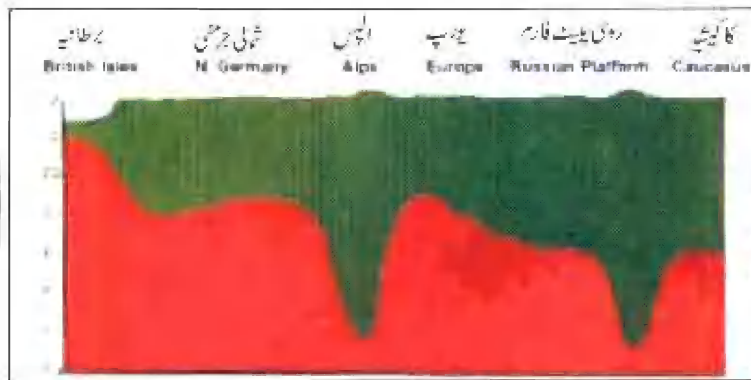
پہاڑوں کا تصوراتی خاکہ پہاڑ میخوں کی طرح زمین میں گڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

پہاڑوں کے کیلوں کی طرح گڑے ہونے کی ایک اور تصویر
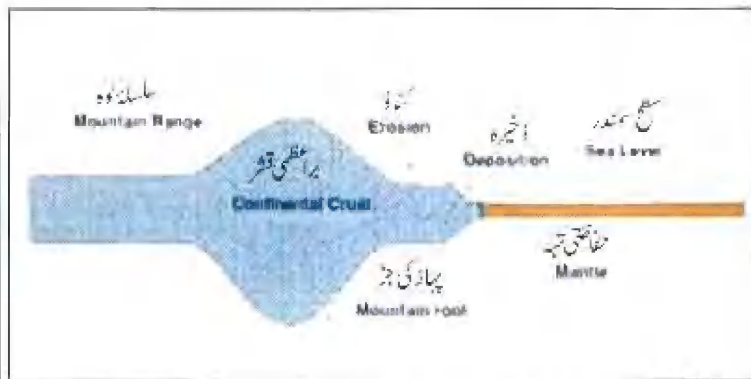
فنگر پرنٹ......شناخت کا یقینی ذریعہ

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ خدا کے لئے انسان کو موت کے بعد زندہ کرنا بہت آسان ہے اس آیت میں انسانوں کی انگلیوں کی اہمیت پر خاص زور دیا گیا ہے:۔

"أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَلَّن نَّجْمَعَ عِظَامَهُ () بَلَىٰ قَادِرِينَ عَلَىٰ أَن نُّسَوِّيَ بَنَانَهُ () (سورۃ القیامہ آیات 3-4)

(کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟ کیوں نہیں؟ ہم تو اس کی انگلیوں کی پور پور تک ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں)
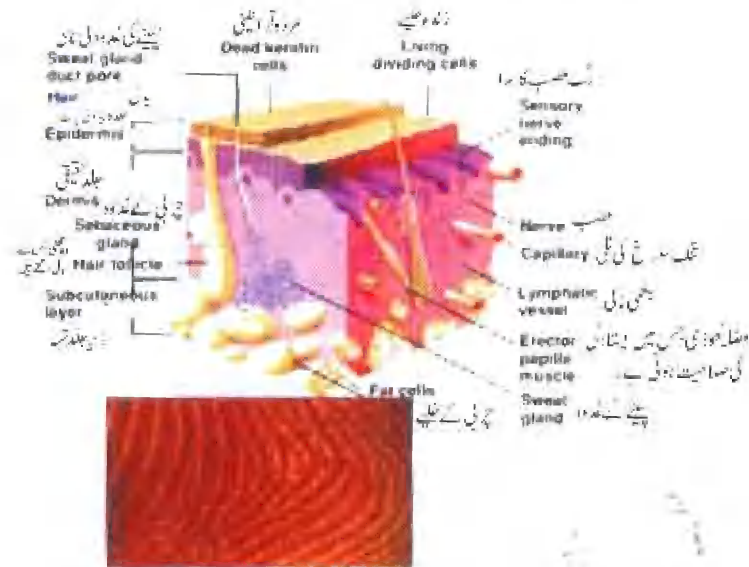
یہاں انگلیوں کے پور پور کا ذکر خصوصی معنی رکھتا ہے۔ کیونکہ ہر شخص کی انگلیوں کے نشانات خود اس کے لئے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ہر شخص جو زندہ ہے یا کبھی اس دنیا میں زندہ رہا ہے اس کی انگلیوں کے پرنٹ منفرد خصوصیت رکھتے ہیں۔ (یا رکھتے ہیں) یہی وجہ ہے کہ فنگر پرنٹس کو کسی شخص کی شناخت کا اہم ثبوت سمجھا جاتا ہے اس مقصد کے لئے دنیا بھر میں انہیں قبولیت عامہ حاصل ہے۔

اس سلسلے میں جو بات کہنا بہت اہم ہے یہ ہے کہ فنگر پرنٹس کی اس خصوصیت کا انکشاف 19 ویں صدی کے اواخر میں ہوا۔ اس سے پہلے لوگ انہیں محض ابھار یا خمیدگیاں سمجھتے رہے جن کے اندر انہیں کوئی معنویت یا خصوصیت دکھائی نہ دے سکی تھی۔ تاہم جب قرآن نے انگلیوں کی پوروں کی طرف توجہ دلائی تو اس دور میں کوئی شخص ان کی اہمیت کو واضح طور پر نہ سمجھ سکا لیکن جب انسانی عقل و شعور نے ایک مناسب حد تک ترقی حاصل کر لی تو اسے فرد کی شناخت کا اہم ذریعہ مان لیا گیا۔

پہاڑوں کی نقل و حرکت

ایک قرآنی آیت میں بتایا گیا ہے کہ پہاڑ جامد اور بے حرکت نہیں ہیں جیسا کہ وہ دکھائی دیتے ہیں بلکہ مسلسل حرکت میں ہیں۔ پہاڑوں کی یہ حرکت زمین کے اس قشر کی حرکت کا نتیجہ ہے جس پر وہ کھڑا ہے۔ یہ قشر ارض اس حفاظتی تہہ پر "تیر" رہا ہے جو اس کی بہ نسبت کثیف تر ہے۔ 20 ویں صدی کے اوائل میں ایک جرمن سائنسدان الفریڈ ویجنر (ALFRED WEGENER) نے تاریخ میں پہلی بار انکشاف کیا کہ دنیا کے براعظم جب پہلے بنائے گئے تو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے لیکن بعد میں مختلف اطراف میں سرکتے سرکتے بالکل ہی جدا ہو گئے۔

ماہرین علم الارض کو اس کی وفات کے پچاس سال بعد 1980 کے عشرے میں اس کی بات کے صحیح ہونے پر یقین آیا۔ ویجنر نے 1915 میں ایک مضمون لکھا جس میں اس نے کہا کہ 50 کروڑ سال پہلے پورا خطۂ زمین ایک عظیم تودے "پنجیا" (PANGAEA) کی صورت میں قطب جنوبی میں موجود تھا اور 18 کروڑ برس پہلے یہ تودہ دو حصوں میں تقسیم ہو جانے کے بعد دو مختلف سمتوں میں حرکت کرنے لگا ان میں سے ایک ٹکڑا گونڈوانا (GONDWANA) تھا جس

میں افریقہ، آسٹریلیا، انٹارکٹیکا اور انڈیا شامل تھے۔ دوسرا تو دولاریشیا (LAURASIA) تھا جو یورپ، شمالی امریکہ اور ایشیا ماسوائے انڈیا پر مشتمل تھا۔ اس علیحدگی کے 15 کروڑ سال بعد گونڈوانا اور لاریشیا چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو گئے جو "پنجیا" کے ٹوٹنے کے بعد صفحہ ہستی پر مسلسل حرکت میں رہے۔ ان کی یہ حرکت متعدد سنٹی میٹر فی سال کی شرح سے تھی۔ اس عمل کے دوران سمندر بھی زمین ہی کی نسبت سے اپنی شکل تبدیل کرتے رہے۔

20 ویں صدی سے علم الارض پر تحقیق کا جو سلسلہ شروع ہوا اس میں کافی پیشرفت ہو چکی ہے چنانچہ سائنسدانوں نے قشر ارض کے بارے میں لکھا کہ:

"قشر (CRUST) اور حفاظتی تہہ (MANTLE) کا بالائی حصہ جس کی موٹائی تقریباً 100 کلومیٹر ہے متعدد قطعوں میں منقسم ہیں جنہیں "پلیٹیں" کہا جاتا ہے۔ ان میں چھ بڑی پلیٹیں ہیں اور باقی چھوٹی چھوٹی ہیں۔ نظریہ ساختمانی ارضیات (THEORY OF TECTONICS) کے مطابق یہ پلیٹیں زمین کے اندر متحرک رہتی ہیں اور اپنے ساتھ براعظموں اور سمندروں کے فرشوں بھی حرکت دیتی ہیں۔ اس براعظمی حرکت کی پیمائش کی گئی ہے جو 1.5 سنٹی میٹر سالانہ بنتی ہے۔ ان پلیٹوں کی گردش آہستہ آہستہ زمین کے جغرافیہ میں تبدیلیاں لا رہی ہے سالہا سال سے جاری اس حرکت کی وجہ سے بحراوقیانوس قدرے وسیع ہو گیا ہے۔"

(GENERAL SCIENCE, Carolyn sheets, ROBERT GARDENER, SAMUEL HOWE ; ALLYN AND BACON INC.NEWTON, MASSACHUSETTS, PP.305 - 306)

یہاں ایک نہایت اہم نکتہ ہے جو بیان کیا جا رہا ہے۔ خدا نے پہاڑوں کی جس "حرکت" کا حوالہ دیا ہے جدید سائنس دانوں نے اس کے لئے "کانٹی نینٹل ڈرفٹ" (CONTINENTAL DRIFT) کی اصطلاح استعمال کی ہے جس کے معنی براعظموں کا "بہنا" کے ہیں۔

("POWERS OF NATURE" , NATIONAL GEOGRAPHIC SOCIETY WASHINGTON D.C., 1978 P.12-13)

ظاہر ہے کہ یہ سائنسی حقیقت جس تک جدید سائنس کی اب رسائی ہوئی ہے قرآن مجید نے صدیوں پہلے بیان کر دی تھی۔

براعظموں کی نقل و حرکت

20 کروڑ سال پہلے
200 million years ago

6 کروڑ 50 لاکھ سال پہلے
135 million years ago

65 million years ago
13 کروڑ سال پہلے

آج کی دنیا
Today

The pictures to the left show the position of the continents in the past. If we assume that the movements of the continents will continue in the same way, millions of years later, they will be in the position shown in the picture to the right.

نصف کرۂ زمین مغربی
(5 کروڑ سال بعد میں)
The Western Hemisphere 50 million years later

The Eastern Hemisphere 50 million years later
نصف کرۂ زمین مشرقی
(5 کروڑ سال بعد میں)

بائیں طرف کی تصاویر ماضی میں براعظموں کی پوزیشن بتا رہی ہیں اگر ہم فرض کریں کہ براعظموں کی یہ نقل و حرکت اسی طرح جاری رہے گی تو لاکھوں سال بعد ان کی حالت اس طرح ہو جائے گی جیسے دائیں طرف دکھائی دے رہی ہے۔

لوہے کے اندر معجزہ

قرآن مجید میں لوہے کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے حتیٰ کہ ایک سورۃ الحدید کے نام سے ہے جس کے معنی "لوہا" ہیں۔ اس کی آیت 25 میں کہا گیا ہے:

وانزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس

(اور ہم نے لوہا اتارا جس میں بڑا زور ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں)

آیت میں لوہے کے لئے "اتارا" کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس سے لوگوں کے لئے فائدہ مند ہونے کے لئے استعاراتی معنے لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جب ہم اس کے لغوی معنوں "طبیعی طور پر آسمان سے اتارا" ...... پر غور کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ اس میں ایک بے حد اہم سائنسی معجزے کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ جدید فلکیاتی محققین نے انکشاف کیا ہے کہ ہماری دنیا میں پایا جانے والا لوہا بیرونی خلا کے عظیم ستاروں میں سے آیا ہے۔

کائنات میں پائی جانے والی بھاری دھاتیں بڑے ستاروں کے نیوکلیس (NUCLEUS) میں پیدا ہوتی ہے تاہم ہمارے شمسی نظام کے اندر از خود لوہا پیدا کرنے کے لئے موزوں ڈھانچہ نہیں ہے۔ یہ صرف سورج سے بہت بڑے سائز کے ستاروں کے اندر پیدا ہو سکتا ہے۔ جس میں درجہ حرارت کروڑوں درجہ سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ جب کسی ستارے میں بننے والے لوہے کی مقدار ایک خاص حد سے متجاوز ہو جائے تو وہ اسے برداشت نہیں کر سکتا اور ایک دھماکے کے ساتھ "نوا" (NOVA) یا "سپر نوا" (SUPER NOVA) خارج کرتا ہے جو ایک قسم کے شہابیے (METEORITES) ہوتے ہیں۔ ان کی بہت بڑی تعداد خلا میں پھیل جاتی ہے۔ یہ اس وقت تک حرکت کرتے رہتے ہیں جب تک کسی جرم فلکی (CELESTIAL BODY) کی قوت جاذبہ انہیں اپنی طرف کھینچ نہ لے۔
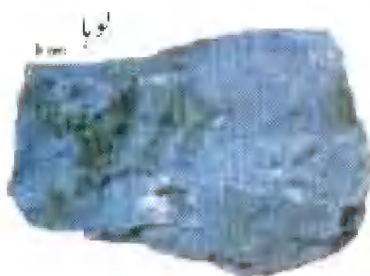
اس سے پتہ چلتا ہے کہ لوہا زمین پر تشکیل نہیں پاتا بلکہ ستاروں کے پھٹنے کے عمل سے شہابیوں کی صورت میں "زمین پر اتارا گیا ہے"۔ بالکل اسی طرح جیسے متذکرہ آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اب یہ واضح

بات ہے کہ اس حقیقت کا سائنسی طور پر ساتویں صدی میں نزولِ قرآن کے وقت ادراک نہیں ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں سورۃ الحدید کی آیت 25 میں جو لوہے کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں دو دلچسپ ریاضیاتی قواعد کی طرف اشارہ ہے:

سورۃ الحدید قرآن مجید کی 57ویں سورۃ ہے اور عربی میں حروف ابجد کے اعتبار سے بھی "الحدید" کے الفاظ کا مجموعہ 57 بنتا ہے جبکہ صرف "حدید" کا مجموعہ 26 بنتا ہے اور اوپر دیئے گئے دوری نظام کے نقشے (PERIODIC TABLE) میں جو آپ کو نظر آ رہا ہے اس کا نمبر 26 ہے اور لوہے کا اٹامک نمبر بھی یہی ہے۔

سورۃ الحدید کا قرآن مجید میں 57واں نمبر ہے۔ عربی میں لفظ "الحدید" کی شماریاتی قیمت (بہ لحاظ قواعد ابجد) بھی 57 ہے۔ اگر صرف "حدید" کے حروف کی قیمت نکال جائے تو وہ 26 بنتی ہے جبکہ لوہے کا اٹامک نمبر بھی یہی ہے۔

باراں آور ہوائیں

قرآن مجید کی ایک آیت میں ہواؤں کی بار آوری اور بارش برسانے کی خصوصیات کا ذکر آتا ہے۔ سورۃ الحجر کی آیت 22 میں کہا گیا ہے۔

وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ فَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ()

(اور بار آور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں۔ پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں۔ اس دولت کے خزانہ دار تم نہیں ہو)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ بارش بننے کا پہلا مرحلہ ''ہوا'' ہے۔ 20 ویں صدی کے آغاز تک بارش اور ہوا کے درمیان صرف یہ تعلق معلوم ہو سکا تھا کہ ہوا بادلوں کو دھکیلتی ہے تاہم ہوا کے ''بار آوری کے کردار'' کا جدید موسمیاتی تحقیق سے پتہ چلا ہے جو بارش برسانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ ہوا کا باراں آوری کا فعل یوں انجام پاتا ہے:۔

سمندروں اور دریاؤں کی سطح پر پانی کی جھاگ سازی کے عمل کی وجہ سے بے شمار ہوائی بلبلے بنتے ہیں۔ جونہی یہ بلبلے پھٹتے ہیں ہزاروں چھوٹے چھوٹے ذرات جن کے قطر ایک ملی میٹر کا بمشکل 100واں حصہ ہوتا ہے اچھل کر ہوا میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ ذرات جنہیں "ایروسول" (AEROSOLS) کہا جاتا ہے ہوا میں شامل مٹی سمیت فضا کی بالائی تہوں تک جا پہنچتے ہیں۔ ہوائیں ان ذرات کو مزید اوپر لے جا کر وہاں آبی بخارات میں ملا دیتی ہیں۔ بخارات ان ذرات کو اپنی لپیٹ میں لے کر مجتمع کرتے ہیں اور پانی کے چھوٹے چھوٹے قطروں کی شکل دے دیتے ہیں۔ یہ قطرے آپس میں مل کر بادل بنتے ہیں اور پھر بارش بن کر برس جاتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے دیکھا ہوائیں فضا میں تیرنے والے آبی بخارات کو سمندر اور دریاؤں سے آنے والے ذرات سے ملا کر "باراں آور" (FECUNDATE) کر دیتی ہیں جو بالآخر بارش کے حامل بادل بن جاتے ہیں۔ اگر ہواؤں میں یہ خصوصیت نہ ہوتی تو بالائی فضا میں پانی کے ننھے قطرات کبھی نہ بنتے اور بارش کی کبھی نوبت نہ آتی۔

یہاں اہم ترین نکتہ بارش برسنے میں ہوا کے فیصلہ کن کردار کا ہے جو صدیوں پہلے متذکرہ صدر آیت قرآنی ...... وارسلنا الریح میں بتا دیا گیا تھا جبکہ بہت ہی کم لوگ اس سے آگاہ تھے۔

بارش کا تناسب

قرآن مجید میں بارش کے بارے میں ایک اور حقیقت یہ بتائی گئی ہے کہ یہ ایک خاص مقدار میں برسائی جاتی ہے سورۃ الزخرف کی آیت 11 میں آتا ہے:

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ()

(وہی ہے جس نے آسمان سے ایک خاص مقدار میں پانی اتارا اور اس کے ذریعے

پانی کی گردش (آبی سائیکل) ایک خاص حساب سے مقرر کی گئی ہے۔ زمین پر زندگی کا دارومدار پانی کی اسی گردش پر ہے۔

ہے ہر روز زمین کو بھی اسی طرح ایک روز تم زمین سے برآمد کیے جاؤ گے۔

نازل ہونی مقدار میں بارش برسنا جدید تحقیق سے بھی دریافت کرلیا گیا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ زمین سے ایک سیکنڈ میں تقریباً ایک کروڑ 160 لاکھ ٹن پانی بخارات بن کر اوپر چلا جاتا ہے۔ اس سے ایک سال میں دنیا بھر سے 513 ٹریلین ٹن پانی بخارات بن کر اڑتا ہے (ٹریلین دس کھرب کے برابر ہوتا ہے) اور یہی مقدار بصورت بارش سال میں زمین پر واپس آجاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ پانی ایک خاص مقدار میں متواتر گردش کرتا رہتا ہے۔ زمین پر زندگی کا انحصار پانی کی اسی گردش پر ہوتا ہے اگر اہل دنیا اپنی تمام دستیاب ٹیکنالوجی استعمال کرلیں تب بھی وہ مصنوعی طور پر اس گردش کو روبہ عمل نہیں لاسکیں گے۔

اگر اس توازن میں معمولی سا انحراف بھی آجائے اس سے ماحول میں شدید بگاڑ پیدا ہوجائے گا جو روئے زمین پر زندگی کے خاتمے پہ منتج ہوگا۔ تاہم ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ بارشیں ہر سال ایک ہی تناسب سے ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بتادیا گیا ہے۔

سمندروں کا آپس میں خلط ملط نہ ہونا

سمندروں کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت حالیہ تحقیق کے نتیجے میں سامنے آئی ہے جس کا قرآن مجید میں صدیوں پہلے ذکر آ چکا ہے۔ سورۃ الرحمان کی آیت 19 اور 20 پر نظر ڈالئے۔ فرمایا گیا ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝

(دو سمندروں کو اس نے چھوڑ دیا کہ باہم مل جائیں پھر بھی ان کے درمیان پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔)

سمندروں کی اس خصوصیت کو کہ وہ ایک دوسرے سے آملنے کے باوجود آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے ماہرین بحری جغرافیہ OCEAONGRAPHERS نے حال ہی میں دریافت کیا ہے۔ یہ ایک طبیعی قوت "سطحی تناؤ" (SURFACE TENSION) کا نتیجہ ہے کہ ہمسایہ سمندروں کے پانی آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔ ان پانیوں کی کثافتوں (DENSITY) کے مختلف ہونے کی بنا پر سطحی تناؤ انہیں آپس میں خلط ملط ہونے سے باز رکھتا ہے جیسے ان کے مابین ایک پتلی دیوار حائل ہو گئی ہو۔

اس کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ جب اہل دنیا "علم طبیعیات" (PHYSICS) "سطحی تناؤ" یا "علم بحری جغرافیہ" سے نابلد تھے انہیں اس حقیقت سے خدا نے اپنی کتاب کے ذریعہ باخبر کر دیا۔

بحیرہ روم کا پانی جبرالٹر کے مقام پر بحر اوقیانوس میں داخل ہوتا ہے لیکن ان کے درجہ حرارت، کھار پن اور کثافت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی کیونکہ حد فاصل انہیں جدا رکھتی ہے۔

باوجود اس کے کہ ان کی لہریں زبردست طاقت کی حامل ہوتی ہیں لیکن وہ درمیان میں حائل پردے کو توڑ نہیں سکتیں جیسا کہ سورۂ رحمان میں بتایا گیا ہے۔

بچے کی جنس   بیٹا پیدا ہو گا یا بیٹی!

زمانہ حال تک یہی سمجھا جاتا رہا کہ بچے کی جنس کا تعین ماں کے خلیوں (CELLS) سے ہوتا ہے۔ یا کم سے کم یہ سمجھا جاتا تھا کہ جنس کے تعین میں میاں بیوی دونوں کے خلیوں کا دخل ہوتا ہے لیکن قرآن ہمیں بالکل ایک مختلف بات بتاتا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ تذکیر و تانیث "اس قطرہ منی" سے متعین ہوتی ہے جسے "ٹپکایا جاتا ہے" ملاحظہ کیجیے سورۃ النجم کی آیات 45-46:۔

وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ (٤٥) مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ (٤٦)

(اسی نے [illegible] جب وہ ٹپکائی جاتی ہے۔)

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ مذکر یا مونث منی کی اس بوند سے پیدا ہوتے ہیں جو ٹپکائی جاتی ہے تاہم زمانہ حال تک یہ سمجھا جاتا تھا کہ بچے کی جنس کا فیصلہ ماں کے خلیوں کی وجہ سے ہوتا ہے لیکن سائنس اس حقیقت سے 20 ویں صدی میں آگاہ ہوئی ہے۔

تذکیر یا تانیث کا تعین کروموسومز (CHROMOSOMES) سے ہوتا ہے۔
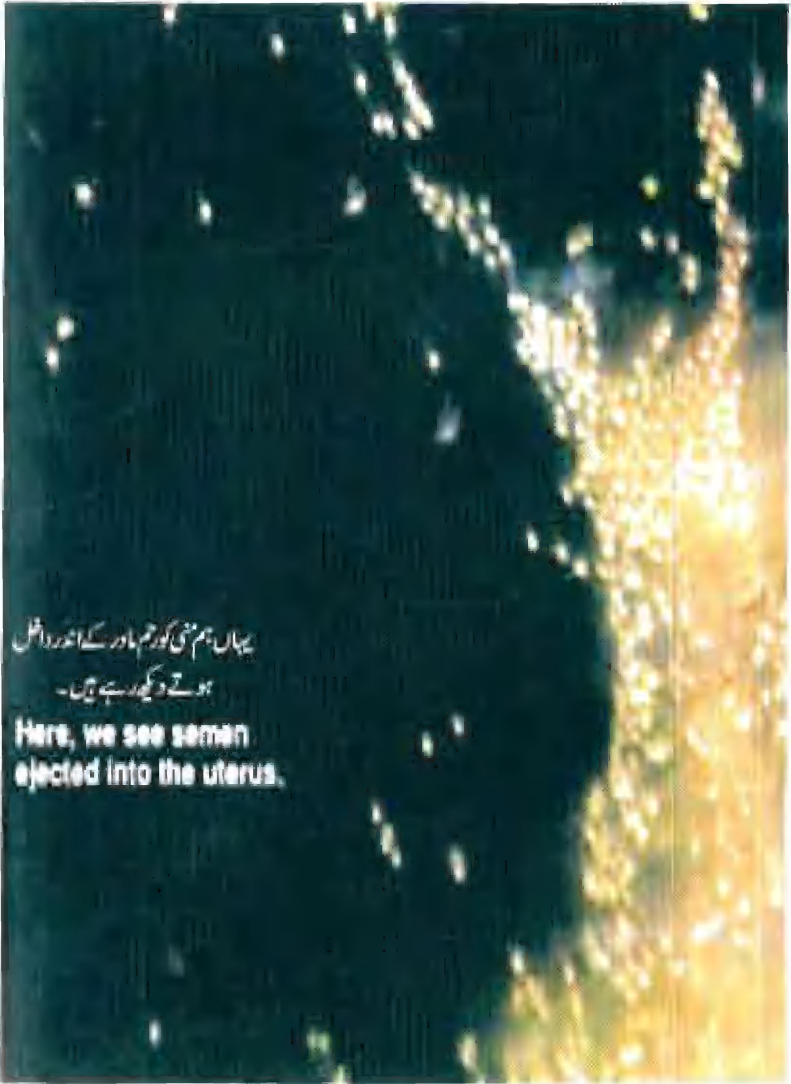
علم تکوینیات (GENETICS) اور مالیکیولر حیاتیات (MOLECULAR BIOLOGY) کے ترقی پا جانے کے بعد قرآن مجید کی بتائی ہوئی حقیقت کی سائنسی طور پر تصدیق ہو چکی ہے اور یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ بچے کی جنس کا تعین مرد کے نطفہ کے خلیوں کی بنا پر ہوتا ہے اس عمل میں عورت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ جنس کے تعین میں اہم کردار لونیے

(کروموسومز) ادا کرتے ہیں۔ 46 "لونیوں" یا کروموسومز میں سے 2 لونیے "جنسی لونیے" ہوتے ہیں۔ باقی آٹو سوم (AUTOSOME) یعنی غیر جنسی ہوتے ہیں۔ مرد کے دو جنسی لونیوں کو "XY" اور عورت کے جنسی لونیوں کو "XX" کہا جاتا ہے۔ انہیں "X" یا "Y" ان کی شکلوں کے ان حروف سے مشابہ ہونے کی بنا پر کہتے ہیں۔ والی "Y" "لونیوں میں مذکر جینز (GENES) ہوتے ہیں اور ایکس "X" "لونیوں میں مونث جینز ہوتے ہیں۔

انسانی بچے کی تخلیق کا آغاز ان لونیوں کے مذکر و مونث جینز کے انضمام (CROSS COMBINATION) سے ہوتا ہے جو مرد اور عورت میں جوڑا جوڑا موجود ہوتے ہیں۔ عورت کے جنسی خلیہ (SEX CELL) کے دونوں "X" جو بیضہ ریزی (OVULATION) کے دوران دو حصوں میں منقسم ہو جاتے ہیں "X" "لونیے ہوتے ہیں۔ دوسری جانب مرد کا جنسی خلیہ دو مختلف اقسام کے تخموں (SPERMS) کو پیدا کرتا ہے ان میں سے ایک کے اندر "X" لونیے اور دوسرے کے اندر "Y" "لونیے ہوتے ہیں۔ اگر عورت کا "X" "لونیہ اس تخم سے جا ملے جس کے اندر "X" "لونیہ ہی موجود ہو تو اس کے ہاں پیدا ہونے والا بچہ لڑکی ہوتی ہے۔ اگر یہ اس تخم سے مل جائے جس میں "Y" "لونیہ ہو تو یہ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہوتا ہے۔

بہ الفاظ دیگر بچے کی جنس کا تعین اس امر سے ہوتا ہے کہ مرد کا کون سا لونیہ عورت کے تخم سے جا ملتا ہے۔

20 ویں صدی کے علم تکوینیات (GENETICS) کی اس دریافت سے پہلے کسی کو ان حقائق سے آگاہی حاصل نہ تھی۔ کئی معاشروں اور تہذیبوں میں یہی عقیدہ پایا جاتا تھا کہ بچے کے نر یا مادہ پیدا ہونے کا انحصار عورت کی جسمانی اہلیت پر ہوتا ہے۔ جب اس کے ہاں بچیاں ہی بچیاں پیدا ہوتیں تو اسے بیٹا پیدا نہ کر سکنے پر مطعون کیا جاتا تھا۔ چنانچہ شوہر مرد وارث کی تلاش میں یا تو بیوی پر سوکن لاتے یا اسے طلاق دے دیتے تھے۔

تاہم قرآن نے انسانی "جینز" کی دریافت سے چودہ سو سال پہلے ہی اصل حقیقت کا انکشاف کر دیا جس سے ان توہمات کا خاتمہ ہو گیا اور تعلیم یافتہ لوگوں پر یہ بات واضح ہو گئی کہ بچے کی تذکیر و تانیث کا سرچشمہ عورت کے اندر نہیں بلکہ مرد کے نطفے کے اندر پایا جاتا ہے۔

رحم پر گٹھلی جم جانا

اگر تخلیقِ انسان کے حقائق کے بارے میں قرآن مجید کے ارشادات پر غور کریں تو ہمیں مزید اہم سائنسی معجزات کا بھی پتہ چلتا ہے۔

جب مرد کا مادہ منویہ عورت کے بیضے سے ملاپ کرتا ہے تو آئندہ تشکیل پانے والے بچے کا جوہر (ESSENCE) وجود میں آ جاتا ہے۔ یعنی دونوں کے ملنے سے جو خلیہ بنتا ہے اسے علم الحیات کی اصطلاح میں زائیگوٹ (ZYGOTE) کہا جاتا ہے۔ پھر زائیگوٹ فوراً تقسیم در تقسیم کے عمل سے گزرنے لگتا ہے جو بالآخر ''گوشت کا ایک ٹکڑا'' بن جاتا ہے۔ جسے مضغہ یا ''کچا بچہ'' (EMBRYO) کہا جاتا ہے۔

گوشت کا یہ ٹکڑا یا کچا بچہ اپنے نشوونما کا زمانہ کسی خلا میں نہیں گزارتا بلکہ رحم کے ساتھ اسی طرح چمٹ جاتا ہے جیسے کسی بیل کی جڑیں زمین میں دھنس جاتی ہیں۔ اس طرح یہ مضغہ یا ''کچا بچہ'' اسی بندھن کے ذریعے ماں کے جسم سے اپنی نشوونما کے لئے ضروری مادے حاصل کرتا رہتا ہے۔

یہاں اس نقطے سے قرآن کا ایک بہت اہم معجزہ سامنے آتا ہے۔ ''کچے بچے'' کے رحم مادر سے نشوونما پانے کا حوالہ دیتے ہوئے خدا نے قرآن میں اس کے لئے ''علق'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔

اقرأ باسم ربك الذي خلق () خلق الانسان من علق () اقرأ وربك الاكرم () (سورۃ العلق: ابتدائی تین آیات)

''پڑھو (اے نبی) اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پیدا کیا۔ جمے ہوئے

(آدمی) ... ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو اور تمہارا رب بڑا کریم ہے)

عربی میں "علق" کے معنی ایسی چیز کے ہیں جو کسی جگہ پر چمٹ جاتی ہے۔ لغوی طور پر یہ لفظ جونک کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو کسی کے جسم کے ساتھ چمٹ کر اس کا خون چوس چوس کر موٹی ہوتی رہتی ہے۔ ماں کے رحم کے اندر نشو ونما پانے کے لئے ایسے موزوں لفظ کا انتخاب ایک بار پھر اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتا ہے کہ یہ اسی کا کلام ہے جو سارے جہاں کا خالق اور مالک ہے۔

ہڈیوں پر عضلات کو لپیٹنا

قرآن نے رحم مادر میں انسانی بچے کی نشو ونما کے مراحل کے سلسلے میں ایک اور اہم بات یہ بتائی ہے پہلے بچے کی ہڈیاں بنتی ہیں بعد میں ان پر عضلات چڑھائے جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے سورۃ المؤمنون کی آیت ۱۴

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (۱۴)

(پھر اس نطفے کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنا دیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا۔ پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔)

علم الجنین، علم کی وہ شاخ ہے جس میں رحم مادر کے اندر جنین کے نشو ونما پانے کی منزلوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس علم کے ماہرین دور حاضر تک یہ سمجھتے رہے کہ "کچے بچے" کی ہڈیاں اور عضلات ایک ہی ساتھ نشو ونما پاتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض لوگ طویل عرصے سے یہ دعویٰ کرتے رہے کہ یہ آیات قرآنی، سائنس کے ساتھ متصادم ہیں۔ تاہم تیکنیکی علوم کی ترقی کے ساتھ ساتھ جب انسان نے خوردبین بھی بنائی اور اس کے ذریعہ مشاہدات کا سلسلہ شروع کیا تو اس پر کئی راز کھلے۔ اعلیٰ درجے کی خوردبین سے رحم مادر کا مشاہدہ کرنے سے سائنسدانوں پر یہ بات واضح ہوئی کہ اس معاملے میں قرآن نے جو کچھ کہا

"پھر ہم ہڈیوں پر گوشت چڑھاتے ہیں"
(سورۃ المؤمنون آیت ۱۴)

تھا وہ حرف بہ حرف درست ہے۔ یعنی پہلے جنین کی کری ہڈی (CARTILAGE TISSUE) ہڈی کی شکل اختیار کرتی ہے پھر ہڈیوں پر چڑھانے کے لئے ان میں سے عضلاتی خلیوں کا انتخاب کیا جاتا ہے اس طرح ہڈیوں پر عضلات کی تہیں چڑھتی چلی جاتی ہیں۔ اس مرحلے کے بارے میں ایک سائنٹیفک پبلی کیشن میں بعنوان "ارتقائے انسان" لکھا گیا ہے کہ:۔

"ساتویں ہفتے کے دوران ڈھانچہ سارے جسم کے اندر پھیل جاتا ہے اور ہڈیاں اپنی معروف ہیئت اختیار کر لیتی ہیں۔ ساتویں ہفتے کے اختتام اور آٹھویں ہفتے کے دوران عضلات ہڈیوں کے گرد اپنی پوزیشن لے لیتے ہیں۔"

مختصر یہ کہ انسانی بدن کے نشوونما پانے کے مراحل جس ترتیب سے قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں جدید علم الجنین کی دریافتوں کے عین مطابق ہیں۔

رحم میں بچے کے تین مراحل

قرآن بچے کے رحم مادر میں نشوونما پانے کے تین مراحل یوں بیان کرتا ہے:۔

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ۝

(سورۃ الزمر آیت ۶)

(تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیئے چلا جاتا ہے یہی اللہ (جس کے یہ کام ہیں) تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے۔ پھر تم کدھر سے پھرائے جا رہے ہو)

جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے انسان کو رحم مادر میں تین مرحلوں میں تخلیق کیا جاتا ہے۔ جدید علم الحیات نے بھی رحم میں جنین کے تین واضح حصوں میں نشوونما پاتے ہوئے دریافت کیا ہے۔ آج ایمبریالوجی کی تمام نصابی کتابوں میں جو میڈیکل کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں اس موضوع کا بنیادی معلومات کے طور پر مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اس شعبے میں بنیادی حوالے کی ایک کتاب (BASIC HUMAN EMBRYOLOGY) میں لکھا ہے:۔

"بچہ دانی میں زندگی کے تین مراحل ہوتے ہیں: قبل از جنین ' ابتدائی ڈھائی ہفتے " تشکیل جنین آٹھویں ہفتے کے اختتام تک اور آٹھویں ہفتے کے بعد جنین کی نشوونما تا وضع حمل"

(BASIC HUMAN EMBRYOLOGY,Williams P.3RD EDITION 1984, p.64)

سورۃ زمر کی آیت ۶ میں آتا ہے کہ بچہ رحم مادر میں تین واضح مراحل طے کرتا ہے جدید علم الحیات نے بھی یہی بات کہی ہے۔

قبل از جنین مرحلہ

رحم مادر میں اولین مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ بار ور شدہ خلیہ (ZYGOTE) تقسیم در تقسیم کے عمل کے ذریعہ خلیوں کا ایک گچھا بن جانے کے بعد خود کو رحم کی دیوار کے اندر دفن کر لیتا ہے اور وہاں پہنچ کر اپنی بڑھوتری کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ اور بالآخر یہ خلیے خود کو تین تہوں میں منظم کر لیتے ہیں۔

مرحلۂ جنین

جنین کا مرحلہ جو کہ دوسرا مرحلہ کہلاتا ہے' ساڑھے پانچ ہفتے پر محیط ہوتا ہے۔ اس مرحلے میں بچے کی بنیادی اعضا اور جسم کے مختلف نظام اپنی ابتدائی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ خلیوں کی تہوں کی صورت میں طے پار ہا ہوتا ہے۔

جنینی نشوونما کا مرحلہ

یہ مرحلہ قرار حمل کے 8ویں ہفتے سے لے کر وضع حمل تک ہوتا ہے۔ اس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ خلیوں کا یہ مجموعہ تقریباً تقریباً انسانی روپ دھار لیتا ہے۔ جس میں چہرہ اور ہاتھ پاؤں دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس کی لمبائی ابتدا میں اگرچہ 3 سنٹی میٹر ہوتی ہے۔ لیکن اس میں بڑی حد تک انسانی شکل وشباہت ابھر آتی ہے۔ یہ مرحلہ تقریباً 30 ہفتوں تک رہتا ہے جس میں جنین کی جسامت مسلسل بڑھتی رہتی ہے۔ جنین کی نشوونما کا مشاہدہ صرف جدید آلات کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔ تاہم دیگر بہت سی معلومات کی طرح' ان معجزاتی واقعات کا بھی قرآن میں ذکر موجود ہے۔ ان صحیح ترین اور تفصیلی حقائق کا ایسے زمانے میں انکشاف کرنا جبکہ عام لوگوں کے پاس ان سے متعلق علم بہت کم تھا' قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے کی مزید ایک واضح شہادت ہے۔

ماں کے دودھ کی افادیت

خدا نے ماں کے دودھ کو نوزائیدہ بچوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ اور تحفۂ بے نظیر بنایا ہے۔ یہ بچے کے لیے بہترین غذا ہے' ان کی بڑھوتری کا سامان بھی ہے' اور بیماریوں کے خلاف موثر دفاع بھی ہے۔ دنیا کی جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس فیکٹریاں جتنا بھی عمدہ

کوالٹی کا دودھ تیار کریں وہ ماں کے قدرتی دودھ کا متبادل نہیں ہو سکتا۔

آئے دن ماں کے دودھ کے نئے نئے فوائد دریافت ہو رہے ہیں۔ان نئے حقائق میں ایک حقیقت یہ بھی سامنے آئی ہے کہ نومولود کو دو سال تک دودھ پلاتے رہنا' بے حد مفید ثابت ہوتا ہے۔ (REX D.RUSSEL "DESIGN IN INFANT NUTRITION") خدا نے اپنی برگزیدہ کتاب میں اس حقیقت سے ہمیں 1400 سال پہلے مطلع فرما دیا تھا۔سورۃ لقمان کی آیت 14 ملاحظہ فرمائیے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (۱)

(اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی خود تاکید کی ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لیے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ) میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجا لا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔)

حاصل بحث

اب تک ہم نے جو معروضات پیش کی ہیں' ان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن ایک ایسی عظیم کتاب ہے کہ اس میں دی گئی پند و نصائح اور اس میں بیان کردہ حقائق سب سچے ثابت ہو چکے ہیں۔اس کی آیات میں سائنسی واقعات اور مستقبل کے بارے میں باتیں ایسے وقت بتائی گئی تھیں جب کوئی بھی شخص ان سے آگاہ نہیں تھا۔اس وقت علم اور ٹیکنالوجی کی جو سطح تھی اس کے بل بوتے پر حقائق تک انسان کی رسائی ممکن نہیں تھی۔یہ قرآن کے کلام اللہ ہونے' خدا کے خالق و مالک' اور علیم و خبیر اور بصیر ہونے کا روشن ترین ثبوت ہے۔چنانچہ ایک آیت کریمہ میں ارشاد ہے۔

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا

(اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی) (سورۃ النساء آیت 82)

قرآن مجید میں نہ صرف یہ کہ کوئی تضاد بیانی نہیں ہے بلکہ اس میں دی گئی خبریں آئے دن اس کے نئے نئے اعجاز دکھا رہی ہیں۔

لہٰذا اب انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ اس کتاب الٰہی کو مضبوطی کے ساتھ تھامے اور اس کے پیغام کو سمجھے کیونکہ یہ دنیا کی واحد کتاب ہدایت ہے۔ چنانچہ سورۃ الانعام کی آیت 55 میں فرمایا گیا ہے:۔

"وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ"

(اور اسی طرح یہ کتاب ہم نے نازل کی ہے ایک برکت والی کتاب پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو۔ بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔)
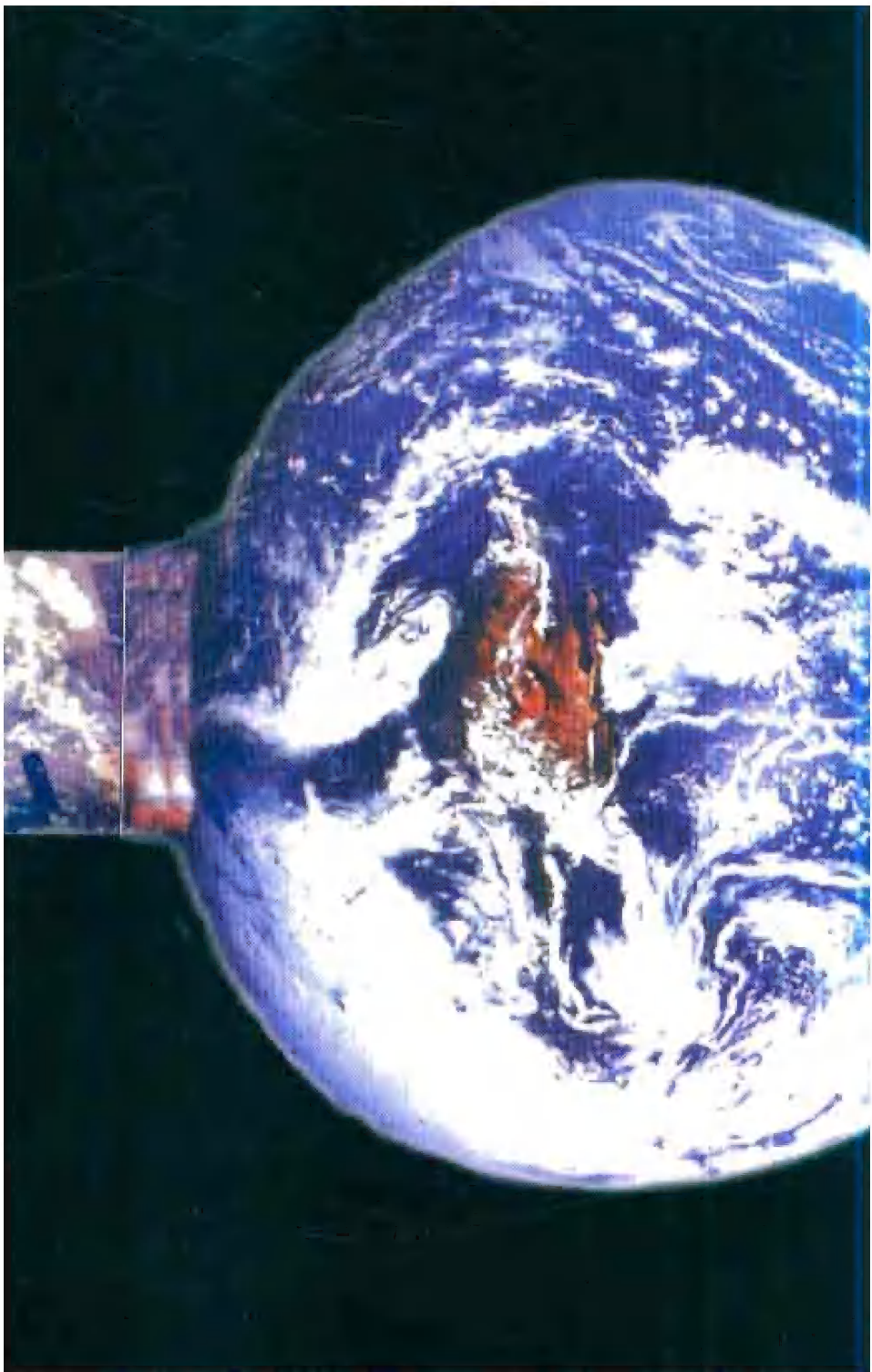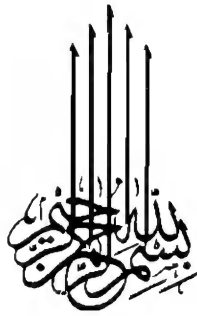
اہلِ ایمان سائنسدان

مادہ پرست اور ملحدین خواہ کتنی ہی ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیں ایک حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ زندگی کی جتنی بھی اقسام اور نظام موجود ہیں سب کے سب خدا کے پیدا کردہ ہیں۔ اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ سائنس اور مذہب کے درمیان ہم آہنگی اور تطبیق کی راہ نکل سکتی ہے۔ بشرطیکہ ان کے بارے میں دیانتداری اور شعور کا رویہ اختیار کیا جائے۔ ان کے مابین ہم آہنگی کا امکان ماضی اور حال کے ان مذہبی سائنسدانوں کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جنہوں نے انسانیت کی بھلائی کے لئے کئی اہم کارنامے انجام دیئے ہیں۔

ایک سائنسدان جو اپنی تحقیق کے ذریعے کائنات کے مخفی رازوں پر سے پردے ہٹاتا ہے وہ دراصل خدا کی صناعی کا گہرائی میں جا کر جائزہ لیتا ہے اور اس کی تفصیلات معلوم کرتا ہے۔

یہی بات مذہب اور سائنس کا ایک ناقابل تقسیم وحدت ہونا ثابت کرتی ہے۔ ایک سائنسدان ایسا شخص ہے جو خدا کی بے پناہ قوت' اس کی زبردست صناعی اور اس کی بے نظیر قدرت تخلیق کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس لئے عام تصور کے برعکس وہ جب خدا کی پیدا کردہ موجودات کے مطالعے و مشاہدے میں محو ہوتا ہے' تو اسے خدا کے وجود اور اس کی توحید کا فوراً ادراک حاصل ہو جاتا ہے۔

بنابریں یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ بے شمار سائنسدان جنہوں نے بڑے بڑے سائنسی کمالات کا مظاہرہ کیا' وہ لوگ تھے جن کو قلب و نظر کی وسعت' مذہب کے مطالعے سے حاصل ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے نہ صرف مذہب اور سائنس کے مابین گہری مطابقت کو ثابت کیا بلکہ سائنس اور دنیا نے انسانیت کی بے حد خدمت بھی کی۔ نامور سائنسدان مثلاً نیوٹن' کیپلر' لیونارڈو ڈا ونچی اور آئن سٹائن جنہوں نے میدان سائنس میں قائدانہ کردار ادا کیا اپنے تحقیقی مشاہدات کی بنا پر اس حقیقت پر بھی پختہ ایمان رکھتے تھے کہ اس کائنات کو خدا نے تخلیق کیا اور اس کے اندر نظم و ضبط بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ مزید برآں سائنس کی ترقی کے لئے بنیادیں فراہم کرنے والے بھی یہی اہل ایمان سائنسدان تھے لہٰذا یہ دعویٰ کرنا

بالکل بجا ہے کہ مذہب نے سائنس کو ترقی دینے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔

آئزک نیوٹن جسے دنیا کا عظیم ترین سائنسدان شمار کیا جاتا ہے' اس کا نظریہ کائنات اس کے ان الفاظ میں مضمر ہے۔

''سورج' ستاروں اور دمدار ستاروں کا حسین ترین نظام ایک ذہین ترین اور انتہائی طاقتور ہستی کی منصوبہ بندی اور غلبے کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ وہی ہستی تمام موجودات پر حکمرانی کر رہی ہے ۔ ۔ ۔ جس کی عملداری اور اقتدار میں سب کچھ ہو رہا ہے۔ وہ اس امر کا استحقاق رکھتا ہے کہ اسے خدائے عظیم و برتر اور ہمہ گیر حکمران تسلیم کیا جائے۔''

(Principia, NEWTON, 2ND EDITION; J.DL Vries, ESSENTIALS OF PHYSICAL SCIENCE, B.EERDMANS PUB. CO., GRAND RAPIDS, SD. 1958, P.15)

جرمن ماہر ریاضی و فلکیات کیپلر (KEPLER) کے بارے میں یہ مشہور بات ہے کہ اس کے سائنسی کارنامے اس کے مذہبی عقیدے کے مرہون منت تھے۔ 1978 میں فزکس کا نوبل پرائز جیتنے والے سائنسدان آرنو پینزیاس (ARNO PENZIAS) نے جو کاسمک بیک گراؤنڈ ریڈی ایشن'' کی دریافت میں بھی شریک تھا' کیپلر کے بارے میں کہا:

''حقیقی کامیابی کوپرنیکس کی نہیں بلکہ کیپلر کی ہے۔ کیونکہ ''نظریہ فلک تدویر'' (NOTION OF EPICYCLES) اس زمانے کی بات ہے جب سائنسدانوں کی آرا بدلتی رہتی تھیں۔ یہ سلسلہ یونہی چلا آ رہا تھا حتیٰ کہ ہم ایک صاحب ایمان سائنسدان کو پاتے ہیں اور یہ کیپلر تھا ۔ ۔ ۔ اور وہ سچ مچ اس خدا پر ایمان رکھتا تھا جو قانون دہندہ ہے ۔ ۔ ۔ اور اس نے کہا کہ اسے کچھ سادہ تر اور زیادہ قوت کی حامل چیز کا پتہ چلنا چاہیے۔ چنانچہ وہ خوش قسمت نکلا کہ اسے عمیق ترین گہرائیوں کا پتہ چلا۔ اس ایمان کی بدولت اسے قوانین قدرت معلوم ہوئے۔ اس دن کے بعد سے ایک زبردست کوشش کا آغاز ہوا لیکن صدیاں گزرنے پر معلوم ہوا کہ سادہ قوانین فطرت کا فی الواقع اطلاق ہوتا ہے۔ اس طرح سائنسدانوں کی امیدیں اب بھی قائم ہیں۔ اور بنیادی طور پر یہ کیپلر ہی کا کارنامہ ہے جو اس کے ایمان کا نتیجہ تھا۔''

کتاب کے اس حصے میں ہم ماضی اور حال کے ان سائنسدانوں کا ذکر کریں گے جو ایمان کی دولت رکھتے تھے اور جنہوں نے جدید سائنس کو نئے خطوط پر بھی استوار کیا اور اس کے فروغ میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا۔ اس حصے میں شامل تمام کے تمام سائنسدان اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ پوری کائنات اور اس میں پائی جانے والی زندگی کی تمام شکلوں کو خدا نے پیدا فرمایا۔ فرانسس بیکن کے یہ الفاظ مخلوق خداوندی کے بارے میں صاحب ایمان سائنسدان کے نکتہ نظر کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں:۔

"چونکہ بنی ہوئی ہر چیز کی بنانے کی قوت بازو اور اس کی ہنرمندی پر دلالت کرتی ہے اسی طرح خدا کی صناعی دکھائی دے رہی ہے جو اپنے صانع کی قدرت کاملہ اور اس کی حکمت اور دانائی کی بھرپور عکاسی کر رہی ہے"

خداوند تعالیٰ قرآن میں بتاتا ہے کہ اس کی تخلیق کے بارے میں کچھ جان سکنے کی صلاحیت حاصل کرنے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل میں اس کا خوف پیدا کیا جائے اس کی تخلیق کاری کو پہچانا جائے اور اس امر کا ادراک حاصل کیا جائے کہ وہ قادر مطلق اور علیم و خبیر ہے یعنی وہ جو چاہے اسے بنانے کی قدرت رکھتا ہے اور ہر چیز کو از اول تا آخر جانتا ہے اور اس کے ظاہر سے لے کر اس کے باطن تک پوری طرح باخبر ہے۔ چنانچہ کہا گیا۔

مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتِ اتَّخَذَتْ بَيْتًا ۖ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ ۖ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ○ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ○ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ○ (سورۃ العنکبوت۔ ۴۱-۴۴)

(جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرست بنا لئے ہیں ان کی مثال مکڑی جیسی ہے جو اپنا ایک گھر بناتی ہے اور سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔ کاش یہ لوگ علم رکھتے۔ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جس چیز کو بھی پکارتے

میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہی زبردست اور حکیم ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کی فہمائش کے لیے دیتے ہیں مگر ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے درحقیقت اس میں ایک نشانی ہے اہل ایمان کے لیے۔"

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ (سورۃ الروم 22)

(اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے)

شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة واولوا العلم قائما بالقسط لا اله الا هو العزيز الحكيم ○ (سورة آل عمران: 18)

(اللہ نے خود اس بات کی شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور (یہی شہادت) فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف پر قائم ہے۔ اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی خدا نہیں ہے۔)

لکن الراسخون في العلم منهم والمؤمنون يؤمنون بما انزل اليك وما انزل من قبلك والمقيمين الصلوة والمؤتون الزكوة والمؤمنون بالله واليوم الاخر اولئك سنؤتيهم اجرا عظيما ○ (سورة النساء: 162)

(مگر ان میں جو لوگ پختہ علم رکھنے والے ہیں اور ایماندار ہیں وہ سب اس تعلیم پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھی۔ اس طرح ایمان لانے والے اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرنے والے اور اللہ اور روز آخر پر سچا عقیدہ رکھنے والے لوگوں کو ہم ضرور اجر عظیم عطا کریں گے۔)

ماضی کے اہل ایمان سائنسدان

راجر بیکن (1220-1292)

ڈین گریوز اپنی ایک مشہور کتاب ''اہل ایمان سائنسدان'' (SCIENTISTS OF FAITH) میں لکھتا ہے ''نور ایمانی سے بڑھ کر کوئی روشنی نہیں ہوتی'' چنانچہ اہل ایمان سائنسدانوں کے کارناموں نے اپنے اپنے شعبے کو نور ایمانی سے منور کر دیا اور انسانیت کی بہبود کے لئے لازوال اسباب مہیا کر دیئے۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے راجر بیکن کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

راجر بیکن کو اس کے معاصرین ''کرشماتی ڈاکٹر'' (DOCTOR MIRABILES) کہا کرتے تھے۔ وہ ایک برطانوی سائنسدان اور ایک ممتاز مذہبی شخصیت تھا۔ وہ اپنے ہم عصر سائنسدانوں پر زور دیا کرتا تھا کہ وہ فرسودہ روایات ترک کر کے اچھے طور پر تجربات کیا کریں

اور جو روایات تجربے کی کسوٹی پر پوری نہ اتریں ان پر عمل کرنا ضروری نہ سمجھیں۔ اس نے مرعوب کن ٹیکنالوجی کو فروغ دینے کی تدابیر کی نشاندہی کی جو کئی صدیوں کے بعد بروئے کار آنے والی تھیں مگر اس وقت ان کی تہہ تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ سٹیم بوٹ (دخانی جہاز) ٹرین، کار، ہوائی جہاز، کرین اور معلق پل ان ایجادات میں سے ہیں جن کی اس نے 13 ویں صدی میں پیشگوئی کر دی تھی۔ بیکن نے اپنے ایک دوست کے نام ایک خط میں لکھا:

"پہلے معقول آرٹ سے بحری سفر کے لئے ایسی کشتیاں تیار کی جائیں جنہیں چپوؤں کے بغیر چلایا جا سکے یعنی بڑے بڑے جہاز ہوں جو سمندروں کو چیرتے ہیں انہیں چلانے کے لئے ایک آدمی بھی کافی ہو۔ ان کی رفتار اتنی تیز ہوگی گویا بہت سے آدمی انہیں چلا رہے ہیں۔ پھر ایسے رتھ ہوں گے جو بے پناہ تیز رفتاری سے چلیں گے اور ان کو کھینچنے کے لئے کسی زندہ جانور کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

اس امر کا یقین کرتے ہوئے کہ اس کے اندر یہ روشنی خدا نے پیدا کی ہے اس نے اس شعبے میں گہری تحقیق کی اور کئی اہم تجربات کئے۔ اس نے آنکھ کے عدسے میں کسی چیز کو بڑا کرکے دیکھنے کی صلاحیت کا تعین کیا اور عدسوں کی کارکردگی مقام اور ان کی خصوصیات پر بھی تحقیق کی۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے یہ نوٹ کیا کہ ستاروں سے نکلنے والی روشنی بیک وقت زمین پر نہیں پہنچتی۔ بالآخر اس نے یہ نظریہ کرسٹوفر کولمبس سے بھی 200 سال پہلے قائم کیا کہ زمین چپٹی نہیں بلکہ گول ہے اور یہ بھی معلوم کر لیا کہ مغرب سے بذریعہ بحری جہاز ہندوستان پہنچا جا سکتا ہے۔ بیکن نے یہ خیال کرکے کہ اس کے مشاہدات سے اخذ ہونے والے نتائج اہل ایمان کو تقویت پہنچائیں گے اس نے لکھا:

بیکن نے 13 ویں صدی میں بے شمار اختراعات کیں اور مستقبل میں کی جانے والی اختراعات کی پیشگوئی کی۔ اس نے لکھا کہ سائنس اہل ایمان کے لئے ایک علامت ہے۔ اس میں ہمارے مستقبل، حال اور ماضی کا خصوصی علم ظاہر ہوا ہے۔

"پھر یہ سائنس جہاں تک کہ یہ اہل ایمان کے لئے ایک دولت مشترکہ ہے بے حد مفید ہے۔ اس میں ہم نے مستقبل حال اور ماضی کا خصوصی علم مضمر پایا ہے۔"

(MICHAEL BUMBULIS, Christianity and the Birth of Science.)

بیکن نے بطور سائنسدان یہ حقیقت معلوم کر لی کہ سائنس مذہب کے ساتھ متصادم نہیں ہے بلکہ یہ خدا پر ایمان نہ رکھنے والوں کو قائل کرنے کے لئے ایک ذریعہ بن سکتی ہے۔ اور "انہیں اللہ پر ایمان لانے کے لئے موثر ترغیب ثابت ہو سکتی ہے۔"

(First Book of Francis Bacon of the Proficience and Advancement of Learning Divine and Human).

فرانسس بیکن

FRANCIS BACON (1561 - 1626)

ممتاز سائنسدان فرانسس بیکن جو "سائنسی طریق" (SCIENTIFIC METHOD) کے بانیوں میں سے تھا خدا پر ایمان رکھنے کی وجہ سے بھی سائنسدان برادری میں مشہور تھا۔ اس نے اپنی کتاب (NOVUM ORGANUM) میں لکھا کہ "فلسفہ فطرت (سائنس) خدا کے کلام کے بعد ضعیف الاعتقادی (توہم پرستی) کا موثر ترین علاج اور عقیدے کی پختگی کے لئے ایک مسلمہ ہوا ہے۔"

(http://www.christianity.co.nz/science4.htm)

گلیلیو کا موقف تھا کہ زمین گول ہے۔ اس نے چاند کے اندر پہلی بار سیاہ قطعے آتش فشاں دہانے اور پہاڑ دیکھے۔

فلورنس کے عجائب گھر میں گلیلیو کی پہلی دو دوربینیں۔

دوسری تصویر میں دوربین کا محدب عدسہ نظر آ رہا ہے۔

سائنسی کارناموں کی وجہ سے شہرت پائی۔ اس کا عقیدہ تھا کہ انسانوں کے حواس اور باتیں کرنے اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں حاصل ہونا عطیات خداوندی میں سے ہیں۔ اس لئے انہیں یہ صلاحیتیں بہترین طریقے سے استعمال کرنی چاہئیں۔ اس کا موقف تھا کہ کائنات خداوند تعالیٰ کے ایک واضح اور روشن ترین منصوبے کے تحت وجود میں آئی ہے۔ اس کے بقول کائنات خدا کی لکھی ہوئی ایک اور کتاب ہے۔ اس کا یہ کہنا بھی تھا کہ ''سائنس کی حقیقتیں اور مذہب کی صداقتیں ایک دوسری کی تکذیب نہیں کر سکتیں کیونکہ تمام صداقتوں کا مصنف خدا ہے۔''

(http:// home. columbus. rr. com/sciences/ enlightened belief history. htm)

جانز کیپلر

(JOHANNES KEPLER (1571 - 1630))

''ہم ماہرین علم فلکیات چونکہ بہ لحاظ کتاب فطرت خدائے بزرگ و برتر کے مبلغین ہیں اس لئے ہمیں یہی بات زیب دیتی ہے کہ ہم غور و فکر کی عادت اختیار کریں۔ ہمیں اپنی سوچوں کی عظمت کے نہیں بلکہ خدا کی عظمت کے مبلغ بننا چاہئے۔''

(HENRY M.MORRIS, MEN OF SCIENCE MEN OF GOD,MASTER BOOKS,1992, p.13)

جانز کیپلر

کیپلر جدید علم فلکیات کا بانی تھا۔ اس نے سیاروں کی بیضوی حرکت دریافت کر کے ان کے مداروی پیریڈ کی اوسط نکالی اور سورج سے اس کے فاصلے کا فارمولا وضع کیا۔ پھر ان کے فلکیاتی ٹیبل مکمل کئے جو کسی بھی زمانے، ماضی یا مستقبل میں

سیاروں کی پوزیشن معلوم کرنے کے کام آتے ہیں۔

بطور سائنسدان کیپلر اس بات پر بھی یقین رکھتا تھا کہ کائنات خالق حقیقی کی پیدا کردہ ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ آپ سائنس دان کیوں بنے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ "میں عالم دین بننا چاہتا تھا لیکن اب میں نے اپنی کوششوں سے معلوم کر لیا کہ خدا کیسا ہے علم فلکیات میں بھی ایک بڑا مقام پا چکا ہوں، جس سے مجھ پر یہ بات آشکارا ہوئی کہ یہ آسمان خدا کی عظمت وجلال کا اقرار کر رہے ہیں"

(JOHANNES KEPLER, QUOTED IN J.H.TINER, Johannes Kepler: Giant of Faith and Science (MILFORD, MICHIGAN: MOTT MEDIA, 1977) p. 197)

خدا کی ہر پیدا کردہ چیز سے اس کی عظمت و برتری ثابت ہونے پر یقین رکھنے والے کیپلر کی زندگی اس امر کی ایک مثال ہے کہ فطرت کی ہر چیز میں خدائی مقصد کی موجودگی دیکھنے والے افراد کتنے کامیاب سائنس دان ثابت ہو سکتے ہیں؟ اور ان کی سوچ میں کتنی وسعت ہو سکتی ہے۔

کیپلر سوال کرتا ہے کہ "شمال کے برفانی خطوں میں سفید ریچھوں اور سفید لومڑیوں کو کس نے پیدا کیا؟ اور پھر وہیل کو ان ریچھوں کی غذا بنایا اور پرندوں کے انڈوں کو لومڑیوں کی غذا بنا دیا؟" پھر وہ خود ہی جواب دیتا ہے کہ "اس کا اہتمام ہمارا خدا کرتا ہے جو بڑا عظیم ہے۔ اس کی صفت خلاقی اور اس کی حکمت و دانائی کی کوئی حد و حساب نہیں۔ اے آسمانو! اے سورج! اے چاند! اور اے سیارو! اس کی عظمت کے گیت گاؤ، تمہارے پاس سمجھنے کی جو حس ہے اور بولنے کے لئے جو بھی زبان ہے اسے اپنے خالق کی حمد بیان کرنے کے لئے استعمال میں لاؤ۔ اے سماوی ہم آہنگیو! اس کی حمد بیان کرو۔ اے وہ لوگو! جن میں ان ہم آہنگیوں کو بے نقاب کرنے اور ان کے حسن توازن کا ادراک کرنے کی صلاحیت موجود ہے اس کی تعریف بیان کرو۔ اے میری روح! اپنے خالق و مالک کی اس وقت تک ثنا خوانی کرتی رہ جب تک میں زندہ رہوں۔ کیونکہ ہر چیز خواہ وہ شعور رکھتی ہے یا نہیں اسی کی ہے، اس نے بنائی ہے اور اسی کی وجہ سے موجود ہے۔ وہ جاندار اور وہ اشیا بھی جن سے ہم قطعاً بے خبر ہیں، اور وہ بھی جن سے ہم جزوی طور پر باخبر ہیں، اسی کی پیدا کردہ ہیں۔ ساری حمد و ثنا کی واحد مستحق اس کی

بابرکت وقابلِ ستائش ذات ہے جس نے یہ عالم بے کنار تخلیق کیا"

(HARMONICE MUNDI (Harmonies of the world) JOHANNES KEPLER GESAMMELTE WERKE, MUNICH 1937, V.6 p.363)

جانز بپتسٹا وان ہیلمونٹ
Johannes Baptista Von Helmant
(1579 - 1644)

نیومیٹک کیمسٹری اور کیمیکل فزیالوجی کے بانی جانز ہیلمونٹ نے حرارت اور دباؤ ناپنے کے آلے تھرمامیٹر اور بیرومیٹر ایجاد کیے۔ ممتاز سائنسی ادیب والٹر چیلز نے اس کے مذہبی رجحانات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ہیلمونٹ کے دل میں تحقیق کی امنگ اس کے مذہبی عقائد کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی۔

(DAN GRAVES, Scientists of Faith, KREGEL RESOURCES, 1996, p.51).

بلیز پاسکل
(BLAISE PASCAL)
(1623 - 1662)

قدیم یونانیوں کے بعد جس سائنسدان نے علمِ ہندسہ (جیومیٹری) میں گرانقدر اختراعات کیں وہ فرانسیسی ماہر طبیعیات وریاضی بلیز پاسکل تھا۔ اس نے اوائل عمری میں ہی نمایاں دریافتیں کیں اور ریاضی اور طبیعیات میں بھی خاصا نام پیدا کرلیا اور کرہ ہوائی اور مائعاتی میکانیات میں بھی تحقیقی کام کیا۔ اور یہ بات بھی اس نے ثابت کی کہ فضائی دباؤ بلندی کے ساتھ ساتھ متغیر ہوتا رہتا ہے۔ وہ سائنس کی تاریخ میں امتیازی مقام حاصل کرنے کے علاوہ گہرے مذہبی جذبات بھی رکھتا تھا۔ اس نے جب کہا کہ "ریاضی سے لے کر ترتیب

عناصر تک ہر چیز کا خالق اللہ ہے" تو اس نے خدا ہی کی لازوال قدرت کا حوالہ دیا تھا۔
(DAN GRAVES, Scientists of Faith, KREGAL RESOURCES, 1996, p.57)

بہت سی دریافتوں اور انکشافات کی وجہ سے شہرت پانے والے متعدد سائنسدان گہرے مذہبی خیالات کے مالک تھے۔ [illegible] اور [illegible] کا [illegible] کیلون اور پاسکل (دائیں طرف) ایسے ہی سائنسدانوں میں سے تھے

بلیز پاسکل

جان رے
JOHN RAY
(1627-1705)

برطانیہ کا ممتاز ماہر نباتات جان رے اہل ایمان سائنسدان میں سے تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر کوئی شخص خدا کی عظمت تخلیق کا عکس دیکھنا چاہتا ہو تو اسے اس کی پیدا کی ہوئی ہر چیز کا گہرا مشاہدہ کرنا چاہئے۔ اپنے اس نظریے سے سرشار ہونے کی وجہ سے وہ اوائل عمری میں ہی سائنسی تحقیق میں منہمک ہو گیا۔ اسے اپنے دور میں علم نباتات اور علم حیاتیات پر ایک سند تسلیم کیا جاتا تھا۔ اس نے اپنے مشاہدات و مطالعہ پر مبنی ایک کتاب (THE WISDOM OF GOD IN CREATION) لکھی جسے بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کتاب میں اس نے ہزاروں پودوں، کیڑوں، پرندوں، مچھلیوں اور دیگر انواع کی بناوٹ اور

ان کی افزائش وغیرہ کی تفصیلات جمع کیں۔ اور لکھا کہ فطرت اپنے خالق کی موجودگی کی گواہی دے رہی ہے۔ خدا کے کارہائے تخلیق یہ ہیں کہ اس نے روز اول جو اشیاء بنائی تھیں اس نے آج تک انہیں اسی حالت اور کیفیت میں محفوظ رکھا اور یہ اب بھی اسی حالت میں موجود ہیں جس پر انہیں روز اول بنایا گیا تھا۔

(HENRY M.MORRIS Men of Science Men of God MASTER BOOKS, 1992 , p.18)

جان رے

وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ سائنس اور مذہب کی طریقوں سے ایک دوسرے کا راستہ کاٹتے ہیں۔ اس کے ذہن کو ان الفاظ سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے۔

”کسی فارغ آدمی کے لئے وقت کا اس سے بہتر کوئی مصرف نہیں کہ وہ فطرت کے کاموں پر غور کرے اور ان کی خوبصورتی اور حسن ترتیب کو دیکھ کر خدا کی بالغ حکمت و دانش کی تعریف کرے۔“

(DAN GRAVES, Scientists of Faith, KREGEL RESOURCES, 1996,p. 66)

رابرٹ بائل

(ROBERT BOYLE)

(1627-1691)

رابرٹ بائل کو جدید کیمیا کا باپ قرار دیا جاتا تھا۔ اس نے متعدد انقلابی انکشافات کئے۔ اس نے ہوا پر پڑنے والے دباؤ میں تبدیلی اور اس کے نتیجے میں اس کے حجم میں واقع ہونے والے ردوبدل کے درمیان تعلق دریافت کیا۔ جسے آج کلیہ بوائل (BOYLES LAW OF GASES) کہا جاتا ہے۔ اس کی دیگر ایجادات میں ایک خاص قسم کا ئمپ اور قدیم وضع کا ایک ریفریجریٹر بھی شامل ہے۔ اس نے اس امر کا عملی مظاہرہ بھی کیا کہ پانی منجمد ہونے کے بعد پھیل جاتا ہے۔ "عنصر" (ELEMENT) کی جدید تعریف اسی نے متعین کی تھی۔ اس نے یہ کہہ کر ایٹمی تھیوری میں بھی اپنا ایک کردار ادا کیا کہ اگر "ہوا داب پذیر (COMPRESSIBLE) ہے تو اس کے ذرات کے درمیان خلا ضرور موجود ہوگا۔"

ان بہت سے سائنسی انکشافات میں مصروف رہنے والا یہ شخص مخلص خدا پرست انسان تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ فطرت میں پُر مغز منصوبہ بندی پائی جاتی ہے جو ایک طاقتور خالق کی کارفرمائی ہے۔ اس نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں بارہا اس امر کا اعادہ کیا کہ سائنس میں ترقی اور خدا پر یقین ساتھ ساتھ رہنے چاہئیں اس نے اپنے ایک لیکچر میں کہا "اس ہستی کی حمدوثنا کرنا یاد رکھے جس نے فطرت کو تخلیق کیا .... اور اپنے علم کو بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے استعمال کرو۔"

رابرٹ بائل

(DAN GRAVES Scientists of Faith, KRIGEL RESOURCES, 1996, p.63)

ایک اور مقام پر اس نے کہا "جانداروں کے اندرونی نظام کی

کاملیت واضح طور پر خدا کے وجود کا ثبوت ہے۔

"نظام کائنات کی بہترین منصوبہ بندی خاص طور پر جانداروں کے اجسام کی حیرت انگیز ساخت ان کے اعضائے حس (SENSORIES) اور دیگر اعضا کے استعمال نے ہر دور کے لوگوں کو سوچنے کی دعوت دی ہے اور فلسفیوں کو یہ تسلیم کرایا ہے کہ خدا موجود ہے جو ان عمدہ ساخت والے جانداروں کا خالق ہے۔"

(JOHN MARKS TEMPLETON, Evidence of Purpose: Scientists discover the Creator, Continuum, NEW YORK 1994, p.50)

انتونی وان لیونہوک

Antonie von Leeuwenhoek
(1632 - 1723)

بیکٹیریا کی دریافت کا سہرا لیونہوک کے سر ہے۔ اس نے کیڑوں کی ساخت کا جائزہ لینے کے لئے عدسے (LENSES) تیار کرنا سیکھا پھر اس طرح اسے جو کچھ نظر آیا اس سے اسے مزید عدسے بنانے کی ترغیب ملی۔ بالآخر اسے خوردبین کی مدد سے بیکٹیریا دریافت کرنے والا پہلا انسان ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

انتونی وان لیونہوک

کسی خالق کے بغیر اشیا کے پیدا ہو جانے کے نظریئے (SPONTANEOUS GENERATION) کو رد کرنے کے لئے اس نے پودوں اور جانوروں کے نشوونما ان کی تولید و تناسل اور افزائش کے نظاموں پر تحقیق کی اور پودوں کے مختلف حصوں کی ساخت اور کارکردگی کا بھی جائزہ لیا۔ خون کے خلیوں

(CELLS) کا بھی مطالعہ کیا۔ چنانچہ باریک ترین رگوں اور ان میں سے گزرنے والے خون کے خلیوں کا مشاہدہ کرنے والا وہ پہلا سائنسدان تھا۔ لیونہوک سے پہلے کوئی شخص بھی یہ نہیں سمجھ سکا تھا کہ عضلات ریشوں (FIBERS) سے بنے ہوئے ہیں۔

(HENRY M.MORRIS. Men of Science Men of God. Master Books, 1992, p.79)

بیکٹیریا کی اقسام

لیوٹہوک کی وہ خوردبین جس کے ذریعے اس نے بیکٹیریا کا مشاہدہ کیا۔

خون کے خلیے

آئزک نیوٹن

ISAAC NEWTON

(1642 - 1727)

نیوٹن سے عظیم ترین سائنسدان قرار دیا جاتا ہے۔ ریاضی اور طبیعیات دونوں شعبوں میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ اس کا سب سے بڑا سائنسی کارنامہ قانونِ تجاذب دریافت کرنا تھا۔ اس نے قوت (FORCE) اور اسراع (ACCELERATION) کے باہمی تعلق میں کمیت (MASS) کے تصور کا اضافہ کیا اور قانون "عمل" اور "ردِ عمل" متعارف کرایا اور یہ نظریہ پیش کیا کہ کوئی متحرک چیز یکساں رفتار سے سیدھی سمت میں اس وقت تک رواں رہتی ہے جب تک کوئی قوت اس پر اثر انداز نہ ہو جائے۔ نیوٹن کے قوانینِ حرکت چار سو سال سادہ ترین شماریاتی انجینئرنگ سے لے کر پیچیدہ ترین فنی منصوبوں تک قابلِ اطلاق رہے۔ اس کے کارنامے تجاذب تک محدود نہیں رہے بلکہ میکانیات اور بصریات کے شعبوں میں بھی اس نے اضافے کئے۔ روشنی کے سات رنگ دریافت کر کے اس نے علم البصریات کی بھی بنیاد رکھ دی۔

نیوٹن کی کتاب پرنسیپیا میتھیمیٹیکا کا ایک صفحہ

آئزک نیوٹن

ان دور رس اثرات کی حامل دریافتوں کے علاوہ نیوٹن نے الحاد و دہریت کے رد اور نظریہ تخلیق کی حمایت میں کئی مضامین بھی لکھے۔ اس نے اس نظریے کی پُرجوش حمایت کی کہ "تخلیق واحد سائنسی وضاحت ہے۔" اس نے اپنے نکتہ نظر کی وضاحت کے لئے ایک تمثیل پیش کی کہ اس مشینی کائنات کے عظیم ترین گھڑیال کا رُکے بغیر چلتے رہنا ایک ہمہ مقتدر اور زبردست دانش اور حکمت کے مالک اور خالق کا ہی کارنامہ ہو سکتا ہے۔ نیوٹن کی ان دریافتوں نے پوری دنیا کا رخ تبدیل کر دیا۔ اس کی دریافتوں اور انکشاف کے پیچھے خدا کی قربت کے حصول کا جذبہ کارفرما تھا۔ اس نے خدا کی تخلیقات کا یہ مقصد بتایا کہ مخلوق اپنے خالق کو بہتر طور پر پہچان سکے۔ چنانچہ اس نے اس تصور کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی ساری توانائیاں تحقیق و جستجو کے لئے وقف کر دیں۔ اس نے سائنسی تحقیقات کے لئے اپنے محرکات کا ذکر اپنی مشہور کتاب "پرنسیپیا میتھیمیٹیکا" میں یوں کیا۔
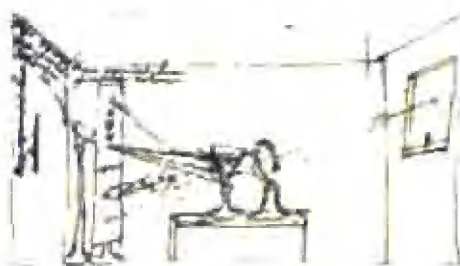
نیوٹن کی ایک دارالتجربہ میں جس میں ایک چھوٹے سوراخ سے نکلنے والی روشنی وحدت میں لانے کے بعد وہ پرزم (منشور) میں سے نکلتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔

اوپر کی تصویر میں نیوٹن روشنی کو منشور (پرزم) سے گزار کے رنگوں سے حقیقت میں تجزیہ کرنے کا مظاہرہ ... ہے۔

"وہ (خدا) لافانی، قادر مطلق، ہمہ مقتدر اور علیم و خبیر ہے یعنی وہ ازل سے ابد تک رہے گا۔"

ایک انتہا سے دوسری انتہا تک ہر وقت موجود ہے۔ تمام مخلوقات پر حکمرانی کرتا ہے اور ان سب کاموں کو جانتا ہے جو کرنے ہیں یا کئے جا سکتے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسے بقائے دوام حاصل ہے، ہر جگہ اور ہر مقام پر حاضر و ناظر ہے ــــ ہم اس سے اس کی بے مثال صناعی اور اس کی پیدا کردہ اشیا میں کمال کی جدتوں کی وجہ سے متعارف ہوئے ہیں ... ہم اس کے عاجز بندے ہیں اور تہہ دل سے اس کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں.............."

(SIR ISSAC NEWTON, Mathematical Principles of Natural Philosophy, TRANSLATED BY ANDREW MOTTE, REVISED BY FLORIAN CAJORI, GREAT BOOKS OF WESTERN WORLD 34,ROBERT MAYNARD HOTCHINS, EDITOR IN CHIEF, WILLIAM BENTON, CHICAGO, 1952 : 273 - 74)

جان فلیمسٹیڈ
JOHN FLAMSTEED
(1646 - 1719)

جان فلیمسٹیڈ

فلیمسٹیڈ گرین وچ رصد گاہ کا بانی اور انگلستان کا پہلا شاہی ماہر فلکیات تھا۔ اس نے بے شمار فلکیاتی مشاہدے کئے اور انہیں ریکارڈ کیا۔ اسے دور بینی دور کا پہلا عظیم ستارہ میپ تیار کرنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ وہ ایک عبادت گزار پادری بھی تھا۔

جان ووڈوارڈ
JOHN WOODWARD
(1665 - 1728)

ووڈوارڈ علم طبقات الارض کے بانیوں میں سے تھا۔ اس کے گرانقدر کارناموں میں

نیک کارنامہ کیمبرج میں ارضیاتی میوزیم اور جیالوجی برانچ قائم کرنا بھی تھا۔

کیرولس لینیئس
CAROLUS LINNAEUS
(1707 - 1778)

لینیئس بڑا متقی اور پرہیزگار سائنسدان تھا اس نے علم نباتات میں وسیع تحقیق کی تھی۔ اس نے پودوں کی جنسی پیداوار کا ثبوت فراہم کیا اور سائنس میں "حیاتیاتی اصول صف بندی" (BIOLOGICAL TAXONOMY) کا تصور متعارف کرایا۔

جین ڈیلک
JEAN DELUC
(1727 - 1817)

جین ڈیلک سوئٹزرلینڈ کا ماہر طبعیات تھا جس نے طبقات الارض کے علم کے لئے "جیالوجی" کی اصطلاح وضع کی۔ اس نے اپنے والد کے ساتھ مل کر حرارت ناپنے کے لئے پارے کے تھرمامیٹر اور رطوبت پیما (HYGROMETER) کو مزید ترقی دی۔ اسے عقیدہ تخلیق کا پرجوش حامی ہونے اور "کائنات اور زندگی کے اتفاقاً ظہور پذیر ہونے" کے تصور کو چیلنج کرنے کی وجہ سے شہرت ملی۔

سر ولیم ہرشل
SIR WILLIAM HERSCHEL
(1738 - 1822)

سر ولیم ہرشل

برطانیہ کا سائنسدان ہرشل 18ویں صدی کے ممتاز ماہرین فلکیات میں سے تھا۔ اس نے اپنے دور کی انتہائی ترقی یافتہ انوکھی دوربین بنائی اور کیسی بادوں سے گھرے ہوئے ستاروں (NEBULAE) اور کہکشاؤں پر تحقیق کر کے ان کی زمرہ بندی کی جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔ وہ اہل ایمان سائنسدانوں

میں سے تھا۔ یہ مقولہ اسی کا تھا۔ "بے دین فلکیات دان کا پاگل ہونا یقینی امر ہے۔" اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ "یہ نہایت تعجب خیز بات ہے کہ جو سائنسدان فلکیات کا مطالعہ کر رہا ہو اور کائنات میں کامل نظم آہنگی کا مشاہدہ بھی کر چکا ہو اور وہ پھر بھی خدا پر ایمان نہ لا سکا ہو۔"
(HENRY M MORRIS, Men of Science Men of God, MASTER BOOKS, 1952, p.31)
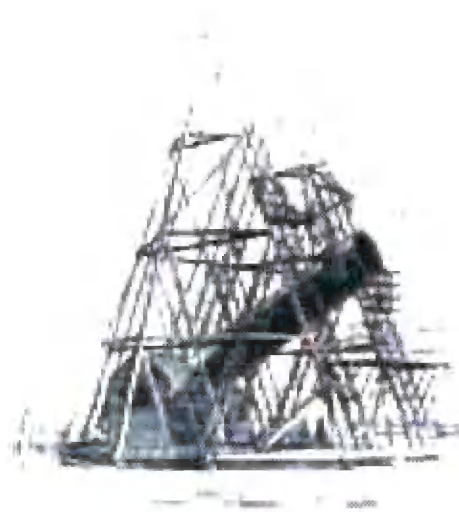
ولیم ہرشل نے اپنی بنائی ہوئی دوربین سے متعدد مشاہدات کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہ اپنی تحقیق کے دوران سے [illegible] [illegible] سے ملنے والی [illegible] سے [illegible] تھا۔

ولیم پالے
WILLIAM PALEY
(1743 - 1805)

پالے نظریہ تخلیق کائنات پر ایمان رکھتا تھا۔ اس کی کتاب "فطرتی دینیات" اس دور میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی تصانیف میں سے تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ "اگر صناعی کے نمونے انسانوں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں تو زندہ اجسام لازماً انسان سے کسی بلند و برتر ہستی کے بنائے ہوئے

ہیں۔" اس نے مزید کہا کہ "تمام جانداروں کو اپنے دشمنوں سے بچاؤ کے لئے درکار ہتھیاروں سے لیس کیا گیا ہے تو یہ ایک واضح منصوبہ بندی کا ثبوت ہے اور ایسے منصوبے ان کا خالق ہی بنا سکتا ہے۔

(WILLIAM PALEY, Natural Theology : or, Evidences of the Existence and Attributes of the Deity collected from the Appearance of Nature (EDINBURGH,1816) Chapter 5, section 5,p.61).

جارج کوویر
GEORGE CUVIER
(1769 - 1832)

جارج کوویر

کوویر ممتاز ماہرین تشریح الاعضا اور حیاتیات قدیم میں سے تھا۔ اسے تقابلی تشریح الاعضا کی سائنس کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے اور حیاتیات قدیم کو سائنس کی بالکل الگ شاخ بنانے میں بھی اس کا بہت بڑا کردار ہے۔ وہ نظریۂ تخلیق پر پختہ یقین رکھتا تھا اور اس موضوع پر ہونے والے علمی مباحثوں میں بھی جوش و خروش سے حصہ لیا کرتا تھا۔

(HENRY M.MORRIS: Men of Science Men of God, MASTER BOOKS 1992, p.38 - 39)

ہمفرے ڈیوی
HUMPHREY DAVY
(1778 - 1829)

ہمفرے ڈیوی

ڈیوی کو صاحب ایمان شخصیت ہونے کی وجہ سے شہرت حاصل تھی اور وہ اپنے دور کے عظیم کیمیا دانوں میں سے تھا۔ فیراڈے جیسے سائنسدان

نے اس کی زیر نگرانی تربیت پائی تھی اور وہ بھی صاحب ایمان شخص تھا۔ ڈیوی متعدد اہم کیمیکل عناصر کو دیگر مرکبات سے الگ کرنے والا پہلا سائنسدان تھا۔ اسی طرح حرارت کا نظریہ حرکت وضع کرنے والا بھی وہ پہلا شخص تھا۔ علاوہ ازیں اس نے حفاظتی لیمپ ایجاد کیا اور یہ بھی ثابت کیا کہ ہیرے دراصل کاربن ہی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس نے متعدد اہم سائنسی خدمات انجام دیں۔

ایڈم سجویک
ADAM SEDGWICK
(1785 - 1873)

ایڈم سجویک

سجویک 19 ویں صدی کے نمایاں ترین ماہرین طبقات الارض میں سے تھا۔ اس کی امتیازی وجہ شہرت یہ تھی کہ اس نے کیمبری (CAMBRIAN) اور ڈیوونی (DEVONIAN) کے سلسلے کو شناخت کیا اور ان کے نام رکھے۔ وہ ایک پادری بھی تھا اور چارلس ڈارون کا دوست ہونے کے باوجود اس کے ارتقائی نظریات کا مخالف تھا۔

(HENRY M.MORRIS, Men of Science Men of God, MASTER BOOKS, 1992, p 53)

مائیکل فیراڈے
MICHAEL FARADAY
(1791 - 1867)

مائیکل فیراڈے

مائیکل فیراڈے کا شمار علم طبیعیات کے عظیم ترین ماہرین میں ہوتا ہے۔ اس نے برقیات اور مقناطیسیت کی نئی سائنسز کو فروغ دیا اور کیمسٹری کے شعبے میں بھی کلیدی کارنامے انجام دیئے۔

فیراڈے خدا کی ہستی اور اس کے خالق ہونے پر پختہ یقین رکھتا تھا اور سائنس اور مذہب کے مابین گہری ہم آہنگی بھی پاتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دنیا کو چونکہ ایک خدا نے پیدا کیا ہے اس لئے تمام اجزائے فطرت ایک ہی کُلی نظام کے اندر آپس میں مربوط ہیں۔ اس تصور کی بنا پر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ بجلی اور مقناطیسیت لازماً باہمی طور پر مربوط ہیں۔
(DAN GRAVES, Scientists of Faith, KREGEL RESOURCES, 1996, p.111).

سیموئل مورس
SAMUEL MORSE
(1791 - 1872)

مورس ایک مشہور سائنسدان تھا جسے زیادہ شہرت ٹیلی گراف ایجاد کرنے کی وجہ سے ملی۔ اس نے امریکہ میں پہلا کیمرہ بنانے کا اعزاز پایا۔

وہ خدا کے خالق ہونے پر ایمان رکھتا تھا جس نے ہر چیز ایک خاص مقصد کے تحت بنائی۔ وہ محسوس کرتا تھا کہ مادی دنیا اور روحانی دنیا باہمی آہنگ سے کام کرتی ہیں۔ اس نے اپنی وفات سے چار سال قبل لکھا:

سیموئل مورس

"میں جوں جوں اپنے سفرِ دنیا کے اختتام کی طرف بڑھ رہا ہوں خدا کی عظمت اور اس کے جلال و جمال اور ایک گرے ہوئے آدمی کے لئے اس کی رحمتوں کو بہتر طور پر محسوس کر رہا ہوں۔ اس نے ہم جیسوں کے مستقبل کو امیدوں اور خوشیوں سے مزین کر دیا ہے۔"
(HENRY M.MORRIS, Men of Science Men of God, Master Books, 1992, p.47)

جوزف ہنری
JOSEPH HENRY
(1797 - 1878)

امریکہ کا عظیم ماہر طبیعیات اور مذہبی سائنسدان جوزف ہنری پرنسٹن یونیورسٹی کا ایک پروفیسر تھا۔ اس نے برقی مقناطیسی موٹر اور برقی رو کی مقدار معلوم کرنے والا آلہ گیلوانومیٹر ایجاد کیا۔ اپنی مصروفیات میں سے خدا کی عبادت کے لئے وقت نکالنا اس کی مستقل عادات میں سے تھا۔ وہ ہمیشہ خدا سے رہنمائی کے لئے دست بدعا رہتا اور اپنے تمام تجربات کے اہم موڑوں پر خدا سے گڑگڑا کر مدد مانگا کرتا تھا۔

(HENRY M MORRIS, Men of Science Men of God, MASTER BOOKS 1992, p.49)

لوئیس اگاسز
LOUIS AGASSIZ
(1807 - 1873)

اگاسز امریکہ میں چوٹی کا ماہر حیاتیات تھا اور نظریہ ارتقا کے شدید ترین مخالفین میں شمار ہوتا تھا۔

لوئی اگاسز

وہ مظاہر قدرت میں ہر جگہ خدا کی منصوبہ بندی پاتا اور ایسے نظریے کو ناقابل برداشت سمجھتا جو خالق حقیقی کے منصوبہ تخلیق سے انکار پر مبنی ہو۔ اس نے حیاتیات کی زمرہ بندی پر اپنے مضمون میں لکھا کہ۔

"زمان و مکان کے تمام قابل غور تصورات کو مجموعی طور دیکھا جائے تو ان میں نہ صرف ایک گہرا تفکر دکھائی دیتا ہے بلکہ پیش بندی قوت دانائی عظمت غیب دانی ہمہ دانی اور مآل اندیشی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ ان سب اوصاف کے لئے اگر ایک ہی لفظ استعمال کیا جائے تو وہ خدائے واحد و ذوالجلال کی ذات ہے انسان پر لازم ہے کہ وہ اس کی معرفت حاصل کرنے اس کی تحمید و تمجید کرے اور اس کے ساتھ محبت کرے"

http://www.ucmp.berkeley.edu

جیمز پریسکاٹ جول

JAMES PRESCOTT JOULE

(1818 - 1889)

جیمز پریسکاٹ جول

جول نے تھرموڈائنامکس کا پہلا قانون دریافت کرنے کے علاوہ اس مہارت کا بھی مظاہرہ کیا کہ ایک تار میں سے برقی رو گزرنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی حرارت کو کیسے ناپا جا سکتا ہے۔ اور جس نے ایک ذرے کی رفتار ناپ لینے والا بھی وہ پہلا سائنس دان تھا۔ اس کی سب سے بڑی دریافت "غیر متغیر مقدار کی قیمت" معلوم کرنا تھی جسے (MECHANICAL EQUIVALENT OF HEAT) کہا جاتا ہے۔ اس دریافت کی وجہ سے "قانون بقائے مادہ" تشکیل پایا جو کہ تمام سائنسی قوانین میں انتہائی بنیادی اور ہمہ گیر حیثیت رکھتا ہے۔ جول نے متعدد اہم سائنسی قوانین دریافت کرنے کا اعزاز پایا۔ اس کو پختہ یقین تھا کہ انسان جوں جوں فطرت کے قوانین دریافت کرتا ہے توں توں وہ خدا کے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔ اس کا یہی عقیدہ اسے تحقیق کی زیادہ سے زیادہ ترغیب دیتا تھا۔ وہ ان 717 سائنسدانوں میں سے تھا جنہوں نے 1864 میں روڈارونیت کے منشور پر دستخط کیے تھے۔ اس نے سائنس کے بارے میں اپنے عقیدہ کا ان لفظوں میں اظہار کیا۔

"خدا کے بارے میں علم حاصل کرنے اس کے سامنے سر اطاعت خم کرنے اور اس کی مشیت کو سمجھنے کے بعد اس کی صفات سے شناسائی میں سے اس کی معرفت دانائی و حکمت اس کی قوت وحشمت اور اس کے لطف و کرم کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کی جانی چاہیے۔ یہ بالکل واضح امر ہے کہ قوانین فطرت سے آگاہی پانا معرفت الٰہی حاصل ہونے سے ہرگز کم نہیں ہے۔"

(DAN GRAVES, SCIENTISTS OF FAITH, KREGEL RESOURCES, 1996, p.133).

جارج گبرائیل سٹوکس
GEORGE GABRIEL STOKES
(1819 - 1903)

جارج سٹوکس برطانیہ کا ایک عظیم ماہر طبعیات اور ریاضی تھا جس نے متعدد شعبوں میں اہم کارنامے انجام دیئے۔ اس نے تجاذبی تضادات کے علم کو وسعت دی اور فلکی طبعیات کے بیا، صوتی مسائل اور حرارت کے شعبوں میں بھی کافی تحقیقی کام کیا۔ اس نے ثابت کیا کہ شیشے کے برعکس، کوارٹز (ایک معدنی پتھر بلوری) بالائے بنفشی تابکاری کے لئے شفاف ہوتا ہے۔ وہ ان اولین سائنسدانوں میں سے تھا جنہوں نے الیکٹرو تھرموڈائنمکس کے شعبے میں چیمبر جول کے انکشافات کی اہمیت کو محسوس کیا۔ اس نے لارڈ کیلوین کے ساتھ مل کر اس پر تحقیق کی۔ سٹوکس نے اس امر کا بھی عملی مظاہرہ کیا کہ ایکس ریز بھی میکسویل کے "برقی مقناطیسی طیف" (ELECTROMAGNETIC SPECTRUM) کا حصہ ہوتی ہیں۔ وہ کچھ عرصے تک وکٹوریہ انسٹی ٹیوٹ آف لندن کا صدر بھی رہ چکا تھا اور کیمرج فلاسفیکل سوسائٹی کا اول رکن بھی تھا۔

سٹوکس نے اس نظریئے کے تحت کائنات کی تحقیق کی کہ یہ سب چیزیں خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں، اور اس نے اس نظریئے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے بہت کچھ لکھا بھی ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں لکھا:

"قوانین فطرت اس کی منشاء و مرضی کے مطابق اپنا کام کر رہے ہیں، جس نے انہیں وضع کیا وہ انہیں معطل کر دینے کی قدرت بھی رکھتا ہے"

(www.leaderu.com/offices/schaefer/docs/scientists.html)

روڈولف ورچو
RUDOLPH VIRCHOW
(1821 - 1902)

ورچو نے زیادہ تر دواؤں کے شعبے میں کام کیا۔ اسے جدید تشخیص، علاج اور ضیاتی امراض کی تحقیق کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ وہ سرطان خون (LEUKEMIA) کی وضاحت کرنے والا پہلا سائنسدان تھا۔ اس کے علاوہ اس نے علم بشریات اور علم آثار قدیمہ پر بھی سرگرمی سے تحقیق کی۔ اسے ڈارون اور ہیکل (HAECKEL) کی ارتقائی تعلیمات کا شدید مخالف ہونے کی وجہ سے بے حد شہرت حاصل ہوئی۔ وہ سیاسی میدان میں بھی آیا اور جرمنی کے سکولوں میں ارتقائی تعلیم دینے کے خلاف زوردار تحریک چلائی۔

(HENRY M.MORRIS, Men Science Men of God, MASTER BOOKS, 1992, p.59)

گریگوری مینڈل
GREGORY MENDEL
(1822 - 1884)

جینیات (GENETICS) کے تین قوانین دریافت کرنے کے بعد مینڈل نے اصول توارث کا بانی ہونے کا اعزاز حاصل کر لیا۔ ان اصولوں نے نظریہ ارتقا کی غلطیوں اور خامیوں کو بے نقاب کر کے رکھ دیا۔ اس طرح مینڈل کے عقیدۂ تخلیق کائنات میں مزید پختگی پیدا ہوئی۔ اس نے ارتقا کے دعویداروں پر واضح کر دیا کہ آج کی کامل دنیا کا ظہور اندھے بہرے اتفاق کا نتیجہ ہونا ناممکنات میں سے ہے۔

گریگوری مینڈل

(DAN GRAVES, Scientists of Faith, KREGEL RESOURCES, 1996, p.143)
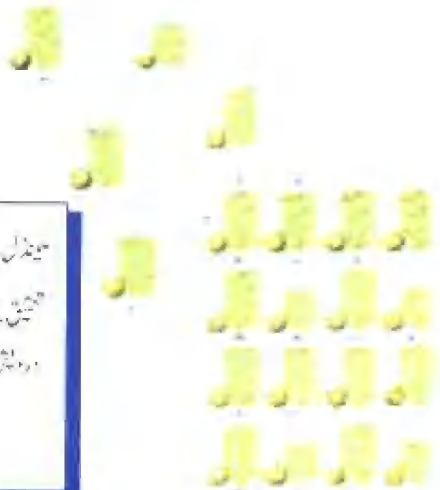
لوئی پاسچر
LOUIS PASTEUR
(1822 - 1895)

پاسچر تاریخ سائنس وطب کی عظیم ترین شخصیات میں سے تھا۔ اسے "امراض کے نظریہ جراثیم" کی بنیاد ڈالنے اور نظریہ ارتقا کی شدید مخالفت کرنے کی وجہ سے شہرت حاصل ہوئی۔ عمل تخمیر کی نامیاتی بنیاد کی وضاحت کرنے اور اس عمل کو کنٹرول کرنے والا وہ پہلا سائنس دان تھا۔ اس کی یہ تحقیق اسے جرثومیات (BACTERIOLOGY) کی تحقیق کی طرف لے گئی۔ چنانچہ اس نے بیماریاں پیدا کرنے والے جرثوموں کو الگ کیا اور ان کو ختم کرنے کے لئے ویکسین تیار کی۔ اس ویکسین کو سگ گزیدگی (RABIES) خناق، دنبل پھوڑوں اور دیگر مہلک بیماریوں کے انسداد کے لئے استعمال کرنے کے علاوہ کھانے پینے کی اشیا کو مضر جراثیم سے پاک کرنے کے لئے بھی بروئے کار لایا جاتا ہے۔

لوئی پاسچر

پاسچر خدا پر پختہ ایمان رکھتا تھا۔ ڈارون کے نظریئے کی سخت مخالفت کرنے کی وجہ سے اسے شدید تنقید کا بھی نشانہ بننا پڑا۔ وہ سائنس اور مذہب میں کامل ہم آہنگی کا قائل تھا۔ اس کے الفاظ ہیں۔

"میرا علم جتنا بڑھتا ہے میرا ایمان اتنا ہی زیادہ پختہ ہوتا جاتا ہے۔ سائنس کی تعلیم کی کمی انسان کو خدا سے دور لے جاتی ہے اور اس میں وسعت اور گہرائی اس کے قریب تر پہنچا دیتی ہے۔"

(JEAN GUITTON, Dieu et la science : Vers le Metarealisme PARIS : GRASSET,1991,p.5)

ولیم تھامپسن (لارڈ کیلوین)

WILLIAM THOMPSON (LORD KELVIN) (1824 - 1907)

لارڈ کیلوین اپنے دور کا ایک ممتاز ماہر طبیعیات تھا۔ اسے خدا پر غیر متزلزل ایمان رکھنے کی وجہ سے بھی شہرت حاصل ہوئی تھی۔ سائنسدان برادری طبعیات، اور ریاضی میں اس کی نمایاں کارکردگی اور عملی ایجاد کے باعث بھی اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتی تھی۔ اس نے

ولیم تھامپسن

ہائیڈروجن اور ہیلیم کو مائع میں تبدیل کرنے کا کامیاب طریقہ وضع کیا۔ اس نے مطلق درجہ حرارت (ABSOLUTE TEMPERATURES) کا ایک پیمانہ مقرر کیا جس کی وجہ سے آج بعض اشیا کی حرارت کے درجے ''ڈگری کیلوین'' میں ناپے جاتے ہیں۔ اس نے تھرموڈائنامکس کو سائنس کی الگ شاخ بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور اس سلسلے میں فرسٹ لا اور سیکنڈ لا وغیرہ کی اصطلاحات وضع کیں۔ وہ اپنے تحقیقی کاموں میں بھی خدا پر اپنے ایمان کا برملا اظہار کرتا جیسا کہ اس نے کہا:

''آزاد سوچوں سے خوفزدہ مت ہو اگر تمہاری سوچ میں قوت ہے تو سائنس تمہیں خدا پر ایمان لانے پر مجبور کر دے گی۔''

(WWW. leadu .com/offices/ schawter/docs /scientists. html)

''جہاں تک آغاز آفرینش کا تعلق ہے سائنس نہایت مثبت انداز میں تخلیقی قوت کی تصدیق کرتی ہے۔''

(HENRY M.MORRIS. Men of science Men of God, MASTER BOOKS 1992,P.66)

جے جے تھامسن
J.J.THOMSON
(1856 - 1940)

جے جے تھامسن نے 1897 میں الیکٹران دریافت کیا۔ اس وقت وہ کیمبرج یونیورسٹی میں طبعیات کا پروفیسر ہوا کرتا تھا۔ وہ بے حد مذہبی شخص تھا اس نے مجلہ "نیچر" میں چھپنے والے اپنے ایک مضمون میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ سائنس کا حاصل مطالعہ وجود خداوندی کی گواہی دیتا ہے۔

(دور کے دھندلے پربتوں سے بھی زیادہ بلند "سائنس کی چوٹیاں" ہیں جو لوگ وہاں تک چڑھتیں گے وہ ان سے دب جائیں گے۔ پھر ان پر مزید وسعتیں کھل جائیں گی اور احساسات میں مزید گہرائی پیدا ہو جائے گی۔ سائنس کی ہر پیش رفت اسی طرح سچائی کی عظمتوں کو واضح تر کرتی چلی جاتی ہے۔ یہ سب اسی خدائے عظیم و برتر کے کام ہیں"

سر ولیم ہگنز
SIR WILLIAM HUGGINS
(1824 - 1910)

ہگنز صاحب ایمان سائنسدان کے طور پر بھی مشہور تھا اور ایک ذہین ماہر فلکیات کے طور پر بھی۔ یہ بات ثابت کرنے والا وہ پہلا سائنسدان تھا کہ ستارے زیادہ تر ہائیڈروجن پر مشتمل ہیں۔ اور ان میں کچھ مقدار ان عناصر کی بھی ہے جو زمین پر پائے جاتے ہیں۔ وہ فلکیات میں "ڈاپلر افیکٹ" کی شناخت کرنے والا پہلا سائنسدان تھا اس سے بالآخر کائنات کی وسعت پذیری کا ثبوت مہیا ہوا۔ (ڈاپلر افیکٹ سے مراد یہ ہے کہ ستارے جوں جوں ایک دوسرے سے دور ہٹتے ہیں ان کی روشنی سرخ سے نیلی ہوتی چلی جاتی ہے)

(HYPOTHESIS) کو رد کرنے کے لئے ریاضیاتی ثبوت لانے میں کامیاب ہو گیا۔ (لاپلاس نے یہ نظریہ 1796 میں پیش کیا تھا جس کے مطابق نظام شمسی کے اجرام فضا میں گیسی مادے کے ٹھوس ہو کر جم جانے سے پیدا ہوئے ہیں۔ جسے ایک چکر کھاتے ہوئے سدیمی مادے نے ایک کے بعد دوسرے مدار میں پھینک دیا تھا۔۔۔ مترجم) اسی طرح اس نے ڈاروں ازم کے بڑے وکیل ہربرٹ سپنسر کے ارتقائی فلسفوں کو بھی پر زور طریقے سے رد کیا۔ اس نے اپنے ایک خط میں اہل ایمان سائنسدانوں کو دعوت فکر دی کہ "مذہب کی پاسداری کے لئے تحقیق کرنا ان کے فرائض میں شامل ہے۔"

(DAN GRAVES, Scientists of Faith, KregelResources, 1996, p.153).

جان سٹرٹ
JOHN STRUTT
(1842 - 1919)

جان سٹرٹ نے الیکٹرو میگنیٹک ویوز (برقی مقناطیسی لہروں) پر تحقیق کر کے بصریات (OPTICS) صوتیات (SONICS) اور گیس حرکیات (GAS DYNAMICS) کے شعبوں میں قابل قدر اضافے کئے۔ اس نے دیگر سائنسدانوں کے تعاون سے آرگان (ARGON) اور دیگر کیمیائی گیسیں دریافت کیں۔ اور وہ ایک مخلص مذہبی شخصیت کے طور پر بھی مشہور تھا۔ اس نے اپنے شائع ہونے والے مقالات کے آغاز میں یہ جملہ لکھا تھا

"خداوند کریم کے کام عظیم ہیں"

(HENRY M.MORRIS, Men of Science Man of God, MASTER BOOKS, 1992, p.79)

جارج واشنگٹن کارور

جارج واشنگٹن کارور
GEORGE WASHINGTON CARVER
(1985 - 1943)

19 ویں صدی کے شروع ہوتے ہی

زراعت کی اہمیت زیادہ بڑھ گئی۔ کارور ایک ممتاز زرعی محقق تھا جس نے متعدد اہم دریافتیں کی تھیں۔ کارور خدا پر یقین رکھنے والے سائنسدان کے طور پر اتنا مشہور تھا کہ لوگ اپنی تقاریر اور انٹرویوز میں ہمیشہ اس کا حوالہ دیا

کرتے تھے۔ "اٹلانٹا جرنل" کے ایک رپورٹر نے اس کے تیار کردہ شیا لے پیشتر کے پیدا ہونے کے بارے میں اس سے پوچھا تو وہ بولا ... میں وہی چیز تیار کرتا ہوں جو خدا نے بنائی ہے تاکہ انسان اسے استعمال کر کے فائدہ اٹھائے۔ یہ خدا کا کام ہے میرا نہیں۔

(GENE ADAIR, George Washington Carver pp. 82 - 83)

سر جیمز جینز
SIR JAMES JEANS
(1877 - 1946)

نامور ماہر طبیعیات سر جیمز جینز کا عقیدہ تھا کہ کائنات کو بے انتہا دانش و حکمت کے مالک نے تخلیق کیا ہے۔ اس موضوع پر اس کے متعدد بیانات میں سے دو ذیل میں پیش کئے جا رہے ہیں جن میں اس کے عقیدے کا بھرپور اظہار ہو رہا ہے۔

"ہمیں اپنی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ کائنات ایک خاص مقصد کے تحت تخلیق کی گئی ہے یا یہ اس کنٹرولنگ پاور کی تخلیق ہے جو ہمارے ذہنوں سے ساتھ کچھ اشتراک رکھتی ہے"

(SIR JAMES JEANS, in his rede lecture at cambridge. REPORTED IN THE TIMES LONDON NOV.5,1930)

"کائنات کے سائنسی مطالعے کا نتیجہ مختصر ترین الفاظ میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کا ڈیزائن کسی خاص ریاضی دان نے تیار کیا تھا۔"

(SIR JAMES JEANS, The mysterious universe. NEW YORK Macmillan Co 1932 (Cambridge)

البرٹ آئن سٹائن

البرٹ آئن سٹائن
ALBERT EINSTEIN
(1879 - 1955)

البرٹ آئن سٹائن جو پچھلی صدی کے اہم ترین سائنسدانوں میں سے تھا اور خدا پر ایمان رکھنے کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ وہ اس نظریے کا دفاع کرتے ہوئے بھی مثال نہیں ہوا کہ سائنس مذہب کے بغیر زندہ نہیں۔ وہ کہتے اس سلسلے میں اس کے الفاظ یہ تھے۔

"میں ایسے سائنسدان کا تصور ہی نہیں کر سکتا جو گہرے مذہبی جذبات نہ رکھتا ہو۔ شاید میری بات اس تمثیل سے واضح ہو جائے کہ مذہب کے بغیر سائنس لنگڑی ہے"

(SCIENCE, PHILOSOPHY AND RELIGION, A SYMPOSIUM, Published by the conference on Science and Religion in their relation to the Democratic way of Life Inc. NEW YORK, 1941)

آئن سٹائن اس امر پر پختہ یقین رکھتا تھا کہ کائنات کا منصوبہ اتنی زبردست ہنرمندی سے بنایا گیا ہے کہ اسے کسی طرح بھی اتفاقی مظہر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اسے یقیناً ایک خالق نے بنایا ہے جو اعلیٰ ترین حکمت و دانش کا مالک ہے۔

آئن سٹائن اپنی تحریروں میں اکثر خدا پر ایمان کا اظہار کیا کرتا تھا اور لکھتا تھا کہ کائنات میں حیرت انگیز فطری توازن پایا جاتا ہے۔ جو غور وفکر کے لئے بے پناہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی ایک تحریر میں کہا ''ہر سچے محقق کے اندر ایک خاص قسم کی مذہبی عقیدت پائی جاتی ہے'' (QUOTED IN MOSZKOW SKI Conversations With Einstein), p.46 آئن سٹائن کو ایک بچے نے خط لکھا جس میں اس نے پوچھا کہ کیا سائنسدان دعا کرتے ہیں؟ اس کے جواب میں آئن سٹائن نے اسے لکھا

''جو شخص بھی خلوص دل کے ساتھ سائنس کے مطالعہ اور تحقیق کی راہ اپناتا ہے اسے اس امر کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ قوانین فطرت میں واضح طور پر ایک روح موجود ہے ... یہ روح انسانی روح سے بلند تر ہے ... اس طرح سائنس کا مشغلہ انسان کو ایک خاص قسم کے مذہبی جذبے سے سرشار کر دیتا ہے۔''

(EINSTEIN ARCHIVE 42 - 601 , JAN 24,1936)

اس تصویر میں آئن سٹائن لیمٹر کے ساتھ کھڑا ہے۔ وہ بھی اسی طرح مذہبی آدمی تھا اور اس نے بگ بینگ تھیوری پیش کی تھی جو کائنات کی تخلیق کی طرف ایک واضح اشارہ تھا۔

جارج لیمیٹر
GEORGE LEMAITRE
(1849 - 1966)

جارج لیمیٹر نے ایک عظیم دھماکے (BIG BANG) کا نظریہ پیش کر کے یہ ثابت کیا کہ یہ کائنات ایک مخلوق ہے جس کی ایک واضح ابتدا ہے اسی طرح یہ اپنے انجام کو بھی پہنچے گی اور اس حقیقت کا اعتراف بہت سے لوگوں کو خدا پر ایمان لانے میں مدد دے گا۔ لیمیٹر جو ایک پادری بھی تھا" اس بات کا قائل تھا کہ سائنس اور مذہب ایک ہی سچائی کی طرف لے جائیں گے۔

(DAN GRAVES, Scientists of Faith, KREGEL RESOURCES, 1996,P 159)

سر الیسٹر ہارڈی
SIR ALISTER HARDY
(1896 - 1985)

ہارڈی جدید بحری علم (OCEAN SCIENCE) کا بانی تھا۔ ٹمپلٹن فاؤنڈیشن جو ہر سال مذہب کے فروغ کے لئے نمایاں کارکردگی دکھانے والوں کو خصوصی اعزاز دیتی ہے اس نے 1985ء میں ہارڈی کو تجرباتی مطالعے پر انعام دیا۔ اس کا جو کارنامہ انعام کا مستحق قرار پایا یہ تھا کہ اس نے مذہبی تجربات کی سائنسی تحقیق کی تھی۔

ورنہر فان بران
WERNHER VON BRAUN
(1912 - 1977)

ورنہر فان براؤن دنیا کے چوٹی کے سائنسدانوں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ ایک ممتاز جرمن راکٹ انجینئر تھا جس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران "V-2" راکٹوں کا منصوبہ تیار کیا اور راکٹ تیار بھی کر لئے۔

ڈاکٹر براؤن جو ناسا (امریکی ادارہ خلائی تحقیق) کا ڈائریکٹر بھی رہ چکا تھا' پختہ ایمان رکھنے والا سائنسدان تھا۔ اس نے "فطرت کی تخلیق و منصوبہ بندی" کے موضوع پر چھپنے والے ایک مجلے کا پیش لفظ لکھا جس میں اس نے کہا:۔

"انسان بردار خلائی پرواز ایک حیرت انگیز تجربہ ہے لیکن اس سے یہاں تک پہنچنے والے انسان کے لئے خلا کی پُر جلال وسعتوں میں جھانکنے کے لئے ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جو کائنات کے بے کراں اسرار میں جھانکنے کے لئے محض ایک سوراخ ہے۔ اس سے ہمارے اس عقیدے کو تقویت پہنچنی چاہیے کہ کائنات کا واقعی ایک خالق موجود ہے۔ میرے لئے اس سائنسدان کو سمجھنا بہت مشکل بات ہے جو اس کائنات کے وجود کے پیچھے کارفرما اعلیٰ ترین حکمت و دانش کو تسلیم کرنے سے انکاری ہو۔ اسی طرح اس مذہبی شخصیت کو بھی سمجھنا بہت مشکل امر ہے جو سائنس کی پیشرفت کو تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔"

(HENRY M.MORRIS, Men of Science Men of God, MASTER BOOKS , 1992 P.85)

ورنہر وان براؤن نے مئی 1947 میں اپنے ایک شائع شدہ مقالے میں لکھا:

"کوئی بھی شخص کائنات کے نظم و ضبط کو اس وقت تک نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ اس کارخانہ قدرت کے پیچھے کارفرما واضح منصوبہ بندی اور مقصد کو تسلیم نہ کرتا ہو ...... ہم نے کائنات کے رازوں کو جتنا بہتر سمجھنے کی کوشش کی ہے اس کے منصوبے پر ہماری حیرت اتنی ہی بڑھی ہے .... کسی کا خود کو صرف اس نتیجے پر پہنچنے پر مجبور پانا کہ یہ سب کچھ محض اتفاقاً ہو گیا ہے خود سائنس کی معروضیت کے منافی ہے ....

وہ کونسا اتفاقی امر ہے جو انسانی دماغ یا اس کی آنکھ کے نظام کو جنم دے سکتا ہے!"

(DENNIS R.PETERSEN Unlocking the mysteries of Creation, CREATION RESOURCE FOUNDATION: ELDORADO,CALIFORNIA, 1990, P.63)

مشہور جرمن راکٹ انجینئر ورنہر وان براؤن (بازو پر پلستر چڑھائے ہوئے) اس تصویر میں دیگر ممتاز سائنسدانوں کے ساتھ کھڑا ہے۔

خدا کی ہستی کو تسلیم کرنے والے ڈاکٹر ورنر وان براؤن امریکی صدر جان ایف کینیڈی کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ ڈاکٹر براؤن کا کہنا ہے کہ وہ ان سائنسدانوں کو سمجھنے سے قاصر ہے جو خدا کی موجودگی کو تسلیم نہیں کرتے۔

میکس پلانک
MAX PLANCK
(1858 - 1947)

مشہور جرمن ماہر طبیعیات میکس پلانک نے ''قدر مستقل وثابتہ'' (PHYSICAL CONSTANT) دریافت کی جو اسی کے نام سے مشہور ہوئی۔ وہ برلن یونیورسٹی میں طبیعیات کا استاد تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ تاریکی کی ہیئت 'بارش کے قطرے سے کھڑکی کے شیشے پر پڑنے والی شبیہ کے مماثل ہوتی ہے' اسے دریا میں مسلسل بہنے والے پانی کی مانند نہیں سمجھا جا سکتا۔ پلانک سے پہلے کے سائنسدان یہ سوچا کرتے تھے کہ روشنی ''موجی حرکت'' (WAVE MOTION) کی طرح سفر کرتی ہے۔

میکس پلانک

پلانک کو اپنی تحقیق سے پتہ چلا کہ روشنی کا ہر ذرہ ایک انرجی پیک (ENERGY PACK) ہے اور اس نے ہر پیک کو "فوٹون" کا نام دیا۔ "فوٹون" کا تصور طبیعیات کی تاریخ کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ یعنی روشنی فضا میں ہوا کی لہروں کی طرح ہی سفر نہیں کرتی بلکہ ذرات کی طرح بھی حرکت کرتی رہتی ہے۔

ان انقلابی دریافتوں میں منہمک یہ سائنسدان کائنات پر "حکمرانی کرنے والی طاقتور ترین ذہانت" پر بھی ایمان رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ کائنات کا وسیع نظام اس کے خالق کے دست قدرت میں ہے۔ اپنے اس خیال کا اظہار اس نے ان الفاظ میں کیا:

> "ہر قسم کی سنجیدہ سائنسی تحقیق کرنے والا شخص سائنسی معبد میں داخل ہوتے وقت بڑے دروازے پر یہ الفاظ لکھے ہوئے پاتا ہے۔ "تمہیں لازماً صاحب ایمان ہونا چاہئے۔" یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے سائنسدان صرف نظر نہیں کر سکتا۔"
>
> (MAX PLANCK, w'Where is Science going? ALLEN & UNWIN, 1933;p.24)

چارلس کولسن
CHARLES COULSON
(1910 - 1974)

کولسن کئی سال تک آکسفورڈ یونیورسٹی میں ریاضی کے استاد کے منصب پر رہا۔ وہ اپنے لیکچروں اور تحریروں میں ایمان باللہ کا اکثر ذکر کرتا رہتا تھا اور اس خواہش کا اظہار کرتا کہ وہ قرب الٰہی کا متمنی ہے۔ کولسن دعائیہ جملے بھی ادا کرتا اور اس عقیدے کا اظہار کیا کرتا تھا کہ انسان کی زندگی کا مقصد خدا کی قربت ہونا چاہیے۔

(CHARLES COULSON, Science and Christian belief, P, 72 - 73)

ماضی کے دیگر اہل ایمان سائنسدان

ذیل کی فہرست میں شامل سائنسدان' جنہوں نے سائنسی علوم کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا نظریہ تخلیق کے قائل تھے۔ یہ بات اس امر کی واضح مثال ہے کہ یہ نظریہ سائنس کے ساتھ متصادم نہیں ہے بلکہ حقیقت حال اس کے بالکل برعکس ہے یعنی مذہب سائنس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

نام	دورانیۂ حیات
لیونارڈو ڈاونچی آرٹ، انجینئرنگ اور فن تعمیر	(1452 - 1519)
جارجیئس ایگریکولا علم معدنیات	(1494 - 1555)
جان ولکنز فلکیات اور میکانیات	(1614 - 1672)
والٹر شارلٹن صدر رائل کالج آف فزیشنز	(1619 - 1707)
آئزک بارو پروفیسر ریاضی	(1630 - 1677)
نکولس سٹینو طبقات شناسی (علم طبقات الارض)	(1631 - 1686)
تھامس برنیٹ علم طبقات الارض	(1635 - 1715)
انکریز میتھر فلکیات	(1639 - 1723)
نہیمیا گریو میڈیسن	(1641 - 1712)
ولیم وسٹن طبعیات، علم طبقات الارض	(1667 - 1752)
جان ووڈورڈ علم حیات قدیم	(1674 - 1737)

جوناتھن ایڈورڈز طبیعیات، موسمیات	(1703 - 1758)
رچرڈ کروان علم معدنیات	(1733 - 1812)
ٹموتھی ڈوائیٹ ماہر تعلیمات	(1752 - 1817)
جیمز پارکنسن میڈیسن	(1755 - 1824)
ولیم کربی علم حشرات الارض	(1759 - 1850)
بنجمن بارٹن علم نباتات، علم الحیات	(1766 - 1815)
جان ڈالٹن بانی جدید ایٹمی نظریہ	(1766 - 1844)
چارلس بیل علم تشریح الاعضا	(1774 - 1842)
جان کڈ کیمسٹری	(1775 - 1851)
جان کارل فریڈرک گاس علم ہندسہ، طبقات الارض، مقناطیسیت، فلکیات	(1777 - 1855)
بنجمن سلیمین علم معدنیات	(1779 - 1864)

پیٹر مارک روژ افعال الاعضا (فزیالوجی)	(1779 - 1869)
ولیم بکلینڈ طبقات الارض	(1784 - 1856)
ولیم پراوٹ کیمسٹری	(1785 - 1850)
ایڈورڈ ہچکاک طبقات الارض	(1793 - 1864)
ولیم ویول فلکیات اور طبیعیات	(1794 - 1866)
رچرڈ اوون علم الاحیات، علم حیات قدیم	(1804 - 1892)
میتھیو ماری علم بحر پیمائی	(1806 - 1873)
ہنری راجرز علم طبقات الارض	(1808 - 1866)

جیمز گلیشر موسمیات	(1809 - 1908)
فلپ ایچ گوس علم الطیور، علم الحیات	(1810 - 1888)
سر ہنری رالنسن علم آثار قدیمہ	(1810 - 1895)
جان امبروز فلیمنگ الیکٹرانکس	(1849 - 1945)
سر جوزف ہنری گلبرٹ زرعی کیمیا	(1817 - 1901)
تھامس اینڈریوز کیمیا	(1819 - 1874)
چارلس سمتھ فلکیات	(1819 - 1900)
جان ڈبلیو ڈاسن طبقات الارض	(1820 - 1899)
ہنری فیبر علم حشرات الارض	(1823 - 1915)
برنہارڈ ریمن علم ہندسہ	(1826 - 1866)
جوزف لسٹر سرجری	(1827 - 1912)

جان بل پیٹیگرو تشریح الاعضا و افعال الاعضا	(1834 - 1908)
بالفور سٹیوارٹ برقیات کرہ روانیہ	(1828 - 1887)
ایل جی ٹیٹ طبعیات اور ریاضی	(1831 - 1901)
ایڈورڈ ولیم مورلے طبعیات میں نوبل پرائز یافتہ	(1838 - 1923)
سر ولیم ابنے فلکیات	(1843 - 1920)
الیگزینڈر میک السٹر تشریح الاعضا	(1844 - 1919)
اے ایچ سیس علم آثار قدیم	(1845 - 1933)
جیمز ڈانا طبقات الارض	(1813 - 1895)
جارج رومانیز حیاتیات فعلیات	(1848 - 1894)

ولیم مچل رمزے علم آثار قدیمہ	(1851 - 1839)
ولیم رمزے کیمسٹری	(1852 - 1916)
ہاورڈ کیلی ماہر امراض زنانہ	(1858 - 1943)
ڈگلس ڈیور علم الطیور، طبقات الارض	(1875 - 1957)
چارلس سٹائن آرگینک کیمسٹری	(1882 - 1954)
پال لیموئین طبقات الارض	(1878 - 1940)
اے رینڈل شارٹ میڈیسن	(1885 - 1955)
مرٹن ڈیویز علم طبقات الارض اور علم ہیئت قدیمہ	(1890 - 1960)
سر سیسل اے.جی. ویکلے میڈیسن	(1892 - 1979)

دور جدید کے اہل ایمان سائنسدان

20 ویں صدی میں سائنس نے بڑی ترقی کی ہے اور کئی ایسی دریافتیں کی ہیں جو صدیوں سے پردۂ اخفا میں تھیں۔ سائنس کی اس ترقی نے جو بات واضح طور پر ثابت کر دی ہے وہ واقعہ تخلیق کائنات ہے۔

ہر سائنسی دریافت تمام شعبہ ہائے زندگی اور تمام جاندار و بے جان اجسام و اشیاء میں ایک مکمل منصوبے اور ایک واضح نظم وضبط کی نشاندہی کرتی ہے۔ سائنسدانوں نے اپنی تحقیق کے دوران اس میں منصوبہ بندی اور کامل حکمت و دانش کو کام کرتے پایا اور اس امر کا اقرار کیا کہ ہر چیز کا صانع اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ جو کچھ انہوں نے دیکھا اس کے دفاع "تخلیق" واقعہ تخلیق" کے دفاع پر کمربستہ ہو گئے۔

آج مغرب میں بالخصوص امریکہ میں اہل ایمان سائنسدانوں نے متعدد علمی تنظیمیں قائم کر دی ہیں جو کائنات میں واضح منصوبہ بندی کے شواہد اکٹھے کر رہی ہیں۔ ذیل میں ہم آج کے چند اہل ایمان سائنسدانوں کے حالات زندگی بیان کر رہے ہیں جن کے سائنسی کارنامے مسلّمہ حیثیت رکھتے ہیں اور علمی حلقوں میں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

ڈاکٹر ہنری فرٹس شیفر

(DR.HENRY FRITZ SCHAEFER)

ڈاکٹر شیفر یونیورسٹی آف جارجیا میں سنٹر فار کمپیوٹیشنل کوانٹم کیمسٹری میں پروفیسر ہیں۔ انہیں نوبل پرائز کے لئے نامزد کیا گیا ہے اور دنیا بھر میں کیمیا کے موضوع پر جن ماہرین کا بطور حوالہ ذکر آتا ہے ان میں ان کا تیسرا نمبر ہے وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور اکثر قرب الٰہی کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے۔

"میری سائنس میں خوشی اور اہمیت کے لمحات جو کبھی کبھی آتے ہیں وہ ہوتے ہیں جب میں کوئی نئی چیز دریافت کرتا ہوں۔ اس وقت میں اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتا ہوں یہ ہے طریقہ جو خدا نے اس کے لئے اختیار کیا ہے۔"

(US NEWS & WORLD REPORT, DEC 23,1991)

آئزک بیشویز سنگر

ISAAC BASHEVIS SINGER

ہر گھڑی یقیناً کسی گھڑی ساز نے بنائی ہے۔ آئزک سنگر

سنگر دور حاضر کے معتبر ترین ماہرین طبعیات میں سے ہیں جبکہ وہ نظریہ ارتقا کے سخت مخالف اور خدا پر ایمان رکھنے والے سائنسدانوں میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک کانفرنس میں ایک دلچسپ کہانی کے حوالے سے اس نظریے پر تنقید کی۔ اور کہا:

"چند سائنسدانوں نے ایک سنسان جزیرہ دریافت کیا۔ انہوں نے جب وہاں قدم رکھا تو انہیں وہاں جو کچھ نظر آیا اس سے وہ بے حد متاثر ہوئے وہ وہاں کے جنگلات اور وحشی جانوروں کو دیکھ کر بہت مسحور ہوئے۔ وہ پہاڑوں پر چڑھے اور ان کے اردگرد کے ماحول کو دیکھتے رہے انہیں جزیرے میں تہذیب کا کوئی حقیر سا نشان بھی نہ ملا۔ جب وہ واپس جانے کے لئے اپنے جہاز کی طرف روانہ ہوئے تو انہیں ساحل پر بالکل ایک نئی گھڑی پڑی ہوئی دکھائی دی جو بالکل صحیح ٹائم بتا رہی تھی۔ سائنسدانوں کے لئے یہ بڑی حیران کن بات تھی۔ یعنی یہ گھڑی یہاں

کیسے آئی؟ انہیں اس بات کا پورا یقین تھا کہ ان سے پہلے کسی آدم زاد نے یہاں قدم نہیں رکھا تو پھر اس کی ایک ہی ممکنہ توجیہہ تھی۔ وہ یہ کہ یہ گھڑی جس کے ساتھ ایک منقش لیدر سٹریپ بندھی ہوئی ہے شیشہ لگا ہوا ہے بیٹری اور دیگر پرزے بھی صحیح حالت میں موجود ہیں اتفاقاً اس جزیرے پر آ گئی اور کہیں ساحل پر براجمان ہوگئی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی متبادل تجویز نہ تھی۔"

متفکر نے ارتقا کے علمبرداروں کے سامنے یہ معمہ پیش کر کے بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا۔ "ہر گھڑی کے لئے لازماً ایک گھڑی ساز کی ضرورت ہوتی ہے۔"

(TEZKIN TUNA, SONSUZ UZAYLAR EXTERNAL SPACES, p.31)

کائنات میں پائی جانے والی ہر چیز خواہ وہ جاندار ہے یا بے جان اس کے اندر ایک جامع نظام اور ایک اعلیٰ ڈیزائن موجود ہے اس لئے کسی کو بھی "محض اتفاق" سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ یہ واضح امر ہے کہ ان میں سے ہر چیز ایک اعلیٰ ترین اور ہمہ مقتدر ہستی کی تخلیق کاری کی مظہر ہے۔ جدید سائنسدانوں کی اکثریت متفکر کی طرح اس کاملیت اور نظم و ضبط سے حاصل ہونے والی روشنی کے حوالے سے یہی کہتی ہے کہ یہ سب چیزیں خدا تعالیٰ کی صناعی کا نتیجہ ہیں۔

مالکم ڈنکن ونٹر جونیئر

MALCOLM DUNCAN WINTER .JR

پروفیسر ونٹر نے میڈیسن میں ایم ڈی کی ڈگری نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی میڈیکل سکول سے حاصل کی بے شمار سائنسدانوں کی طرح وہ بھی کائنات اور جملہ انسانوں کو عظیم خالق کی قدرت تخلیق کا شاہکار سمجھتے ہیں۔ اس مسئلے پر انہوں نے یوں اظہار خیال کیا

"زمین اور یہ کائنات جو اتنی پیچیدگیوں اور زندگی کی مختلف اشکال سمیت ہمارے سامنے موجود ہے اور وہ انسان بھی جو سوچ سمجھ کی اتنی زبردست صلاحیتیں رکھتا ہے یہ تو اتنی لطیف اور پیچیدہ حقیقتیں ہیں کہ یہ محض اپنے آپ تو نہیں بن گئیں۔ ان کے بنانے کے لئے ایک عظیم مفکر، مہر ماہنہ خالق موجود ہونا ضروری تھا۔ اس سارے کارخانے کے پیچھے ایک خالق کی قدرت کارفرما ہونی چاہیئے۔ اور وہ یقیناً خدا ہے۔

(JOHN CLOVER MONSMA, The Evidence of God in an Expanding Universe, p.182-183)

ولیم فلپس

WILLIAM PHILLIPS

فلپس کو اپنی 50ویں سالگرہ منانے سے پہلے نوبل پرائز ملا کیونکہ انہوں نے لیزر لائٹ سے ایٹموں کو قابو کرنے اور انہیں ٹھنڈا کرنے کا طریقہ وضع کیا ہے۔ وہ بھی خدا پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ انہوں نے نوبل پرائز ملنے کے اعلان کے بعد اپنی پریس کانفرنس میں کہا۔

"خدا نے ہمیں ایک حیرت انگیز اور مسحور کن دنیا عطا فرمائی تا کہ ہمیں اس میں آباد ہوں اور تحقیق و جستجو کریں۔"

(WWW.Leadru.Com/offices/shaefer/doc/scientists.html)

پروفیسر ڈیل سوارزنڈروبر

DALE SWARTZENDRUBER

پروفیسر سوارزنڈروبر پہلے کیلی فورنیا یونیورسٹی میں اسسٹنٹ سوائل سائنٹسٹ تھے۔ پھر پرڈیو یونیورسٹی میں ایسوسی ایٹ پروفیسر مقرر ہوگئے۔ اب سوائل سائنس سوسائٹی آف امریکہ کے ممبر بھی منتخب ہوگئے وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ یہ کائنات محض اتفاق کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک خالق کی قدرت کا نتیجہ ہے ان کا بیان حسب ذیل ہے۔

"حقیقت یہ ہے کہ ہر طرف ایک مقصدیت اور ایک منصوبہ بندی کارفرما دکھائی دیتی ہے۔ آپ اوپر آسمان کی طرف دیکھیں یا نیچے زمین کی جانب وہ ضرور آپ کی نظر سے گزرے گی۔ اس عظیم منصوبہ سازی کی موجودگی سے انکار اتنی غیر منطقی بات ہے جتنی کہ گندم کی لہلہاتی زرد زرد فصلوں کی تعریف بھی آپ کریں اور ساتھ ہی برلب سڑک فارم ہاؤس میں کسان کی موجودگی کو تسلیم کرنے سے بھی انکار کر دیں۔"

(JOHN CLOVER MONSMA, The evidence of God in an expanding universe, P 191).
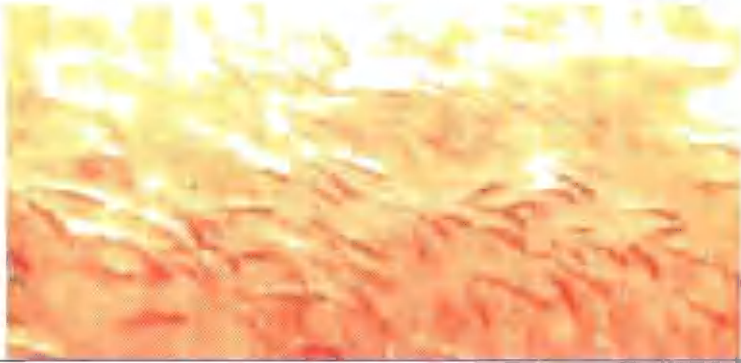
پکی ہوئی فصل کو دیکھنے والا شخص اسے بونے والے کاشتکار کے وجود کے بارے میں کوئی شک نہیں کرتا۔ یہ فیصلہ ذہن کی سوچ کا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کائنات کی تخلیق کے پیچھے ایک عظیم منصوبہ ساز کارفرما ہے۔ اس تخلیق کار کی موجودگی کے بارے میں شک کرنا اس سے بھی زیادہ احمقانہ بات ہے جتنا فصل دیکھ کر بھی کسان کے وجود سے انکار کر دیا جائے

ولیم ڈیمبسکی
WILLIAM DEMBSKI

دورِ حاضر کے ''ریاضیاتی سائنسدان'' ڈیمبسکی کا دائرہ تحقیق فلسفے سے لے کر الٰہیات تک متعدد دوائر تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سائنس دراصل دنیا کو سمجھنے کی ایک کوشش کا نام ہے اور سائنسدانوں کا مقصد حقائق پر سے پردے ہٹانے اور نئی نئی دریافتیں کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس بارے میں وہ اپنی بات یوں کہتے ہیں۔

ولیم ڈیمبسکی

''یہ دنیا خداوند عالم کی تخلیق ہے اور سائنسدان اس دنیا کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے محض اس خالق کی سوچ اور منصوبے تک رسائی حاصل کر رہے ہیں۔ سائنسدان تخلیق کار نہیں بلکہ کھوجی ہیں واقعہ تخلیق کے سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ یہ خالق کا پتہ بتاتا ہے۔ کارِ تخلیق پر ہمیشہ اس کے خالق کی مہر ثبت ہوتی ہے۔''

(WILLIAM DEMBSKI, The Act of Creation, Bridging Transcendence and Immanence, Presented at Millstatt Forum Strasbourg, France, 10 August 1998.

پروفیسر ڈیمبسکی ایک باقاعدہ سائنس دان ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ زندگی کی پیچیدگی سے اللہ کی تخلیق کا ثبوت ملتا ہے۔

پروفیسر سٹیفن میئر
PROF STEPHEN MEYER

وہٹ ورتھ کالج میں فلسفے کے ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں اور نظریۂ تخلیقِ کائنات پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس موضوع پر کئی کتابیں بھی لکھی ہیں جن میں اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے کہ کائنات ایک اعلیٰ ذہانت پر مبنی تخلیق ہے کارخانۂ ہستی اس حقیقت کی گواہی دے رہا ہے۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون میں خلیے کے ذرائع پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا کہ:

"میری دلیل یہ ہے کہ کوئی اتفاقی امر، کوئی قبل از حیات ماحول اور کوئی خود کار "تنظیمیت" دنیا کے پہلے خلیے (CELL) کے مبادیات کی توجیہ نہیں کر سکتی۔"

(STEPHEN C.MEYER, taken from his lecture titled "The explanatory Power of Design " DNA and the origin of Information'

پروفیسر والٹر ایل بریڈلے

WALTER L.BRADLEY

پروفیسر بریڈلے آج کل ٹیکساس یونیورسٹی میں شعبہ مکینیکل انجینئرنگ میں فرائض انجام دے رہے ہیں اور ایک کتاب "معمۂ زندگی" کے مصنف بھی ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ ساری کائنات اور تمام جاندار و بے جان اشیاء ایک واضح منصوبے کے تحت پیدا ہوئی ہیں اس حقیقت کے شواہد جا بجا بکھرے ہوئے ہیں۔ ان کے یہ الفاظ ایک خالق کی موجودگی کے عقیدے کا بھرپور اظہار کر رہے ہیں۔

پروفیسر والٹر ایل بریڈلے

"1987ء کے موسم بہار میں مجھے کارنیل یونیورسٹی میں "عیسائیت اور سائنس" کے موضوع پر "پریزنٹیشن" دینے کے لئے مدعو کیا گیا۔ چنانچہ میں نے خدا کے وجود کے بارے میں سائنسی شہادت پر "وسیع تر عوامی سطح" کی گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور کہا "ایک اعلیٰ ذہانت کے اوصاف سے متصف تخلیق کار کی موجودگی کے بارے میں واضح شہادتوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔"

(http://www.leaderu.com/real/ri9403/evidence.html)

ارل چیسٹر ریکس

EARL CHESTER REX

پروفیسر ریکس یونیورسٹی آف ساؤدرن کیلیفورنیا میں ریاضی کے لیکچرار تھے بعد ازاں جورج جیپ ڈین کالج میں فزکس کے ایسوسی ایٹ پروفیسر مقرر ہو گئے۔ اس بات پر عقیدہ رکھتے

ہوئے کہ پوری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور یہ ساری کی ساری کائنات اسی کے قبضہ قدرت میں ہے پروفیسر موصوف نے کہا کہ کائنات کے وجود اور اس کے قیام سے متعلق جو نظریہ بھی ''تخلیق'' سے صرف نظر کرتا ہو یا اس سے انکار کرتا ہو وہ یا تو متعلقہ حقائق کی توجیہ کرنے سے عاری ہے یا ناقابل اصلاح حد تک ژولیدہ فکری کا شکار ہے۔

(JOHN CLOVER MONSMA, The Evidence of God in an Expanding Universe p.181)

ڈاکٹر الن سانڈیج
ALLAN SANDAGE

ڈاکٹر الن سانڈیج موجودہ دور کے عظیم ترین فلکیات میں سے ہیں۔ انہیں 50 سال کی عمر میں خدا پر ایمان لانے کی توفیق ہوئی۔ انہوں نے امریکی جریدہ نیوز ویک کو ایک انٹرویو دیا جو کور سٹوری کے طور پر اس سرخی کے ساتھ شائع ہوا ''سائنس نے خدا تلاش کر لیا'' سانڈیج نے اپنے قبول کردہ مذہب کے بارے میں کہا:

''یہ میری سائنس ہی تھی جس نے مجھے اس نتیجے پر پہنچایا کہ کائنات اتنی زیادہ پیچیدہ ہے کہ سائنس کی گرفت میں نہیں آ سکتی۔ چنانچہ میں موجودات کے مافوق الفطرت حوالوں سے ہی سمجھ سکا ہوں۔''

(NEWSWEEK, JULY, 27.1998,p.46)

پروفیسر سیسل بوائس ہامن
CECIL BOYCE HAMANN

پروفیسر ہامن گرین ورن ٹاؤن یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی اور سینٹ لوئی یونیورسٹی میڈیکل سکول کی

فیلوشپ کے ممبر ہیں اور آج کل اسپرنگ کالج میں حیاتیات پڑھا رہے ہیں۔ وہ خدا پر ایمان رکھنے والے سائنسدانوں میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے:

"میں جب بھی اقلیم سائنس کی طرف رجوع کرتا ہوں تو وہاں ایک ہستی برتر کی منصوبہ بندی اور اس کے قوانین اور ضابطوں کی گواہی ملتی ہے۔ ...... جی ہاں میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں ...... اس خدا پر جو نہ صرف وہ قادر مطلق ہے جس نے کائنات بنائی اور اس کی پرورش کرتا ہے بلکہ اپنے تخلیق کردہ اشرف المخلوقات انسان کی فکر بھی کرتا رہتا ہے۔"

(JOHN CLOVER MONSMA, The Evidence of God in an Expanding Universe, P.219)

پال ارنسٹ ایڈولف

PAUL ERNEST ADOLPH

پروفیسر ایڈولف جو پہلے سینٹ جان یونیورسٹی کے شعبہ تشریح الاعضاء میں پڑھاتے تھے آج کل امریکن کالج آف سرجنز کے فیلو ہیں۔ ان کے عقیدے کی پختگی ان کے سائنسی مطالعے کی مرہون منت ہے۔ انہوں نے ایک بار کہا:

"...... میں کہوں گا کہ میں یقیناً خدا کی ہستی اور اس کی حقیقت کو تسلیم کرتا ہوں۔ میرا عقیدہ نہ صرف میری روحانی فطرت کا نتیجہ ہے بلکہ میری میڈیکل پریکٹس نے بھی میرے قبول کردہ عقیدے کی توثیق کی ہے ...... جی ہاں بالکل خدا موجود ہے۔"

(JOHN CLOVER MONSMA, The Evidence of God in an Expanding Universe, P.219)

لیسٹر جان زمرمین

LESTER JOHN ZIMMERMAN

پروفیسر زمرمین جو پرڈیو یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی تھی اور آج کل وہ وسکونسن کالج میں زراعت اور ریاضی کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے خدا پر اپنے عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"ساری کائنات کو خدا نے پیدا کیا اور وہی بغیر کسی توقف کے اس کی نگہداشت و پرورش کر رہا ہے۔ میں جب زرخیز مٹی اور پودوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے فطرت کی کارکردگی دیکھ رہا ہوتا ہوں تو خدا پر میرے ایمان میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ میں روزانہ اس کے سامنے سر جھکاتا ہوں اور اس کے کمال تخلیق و ربوبیت پر اس کی حمد کرتا ہوں"

(JOHN CLOVER MONSMA, The Evidence of God in an Expanding Universe, P.196)

اینریکو میڈی
ENRICO MEDI

ممتاز اطالوی سائنسدان اینریکو میڈی نے 1971 میں روم میں منعقد ہونے والی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں دوران تقریر ان عجیب کرامات کا ذکر کیا جن سے ایک سائنسدان کو سابقہ پیش آتا ہے اور آخر میں انہوں نے کہا:۔

"ایک سبب موجود ہے جو زمان و مکان سے بالاتر ہے اور وہ تمام موجودات کا آقا و مالک ہے اس نے موجودات کو اسی شکل وہیئت پر بنایا جیسی وہ دکھائی دے رہی ہیں۔ اور وہی تو خدا ہے۔"

وین یو آلٹ
WAYNE U.AULT

پروفیسر آلٹ نے کولمبیا یونیورسٹی سے پوسٹ گریجویشن کی ڈگری لی اور جیو کیمیکل لیبارٹری نیو یارک میں ریسرچ فیلو ہیں۔ انہوں نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہا کہ سائنسی تحقیق خدا کے ساتھ بندے کے تعلق کو گہرائی عطا کرتی ہے:۔

"علم کی تلاش اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والا تجسس مظاہر قدرت کے بارے میں کیوں اور کیسے کے سوالات کھڑے کر دیتا ہے یہ سب کچھ ذہن کو عطا شدہ خصوصیات کا ایک حصہ ہے۔ جب یہ سائنسدان خالق کائنات پر ایمان لے آتا ہے تو یہ ایمان کسی بھی سمت میں اس کے مطالعے کے نتیجے میں فروغ پاتا رہتا ہے۔

(JOHN CLOVER MONSMA, The Evidence of God in an Expanding Universe, p.211)

پروفیسر مائیکل پی جیرارڈ

MICHAEL P.GIROUARD

مائیکل جیرارڈ ساؤدرن لوزیانا یونیورسٹی میں حیاتیات کے پروفیسر ہیں ان کا ایمان ہے کہ زندگی محض اتفاق سے وجود میں نہیں آئی اور یہ کہ پروٹینز اور خلیے کی پیچیدہ اور کامل ترین ساخت جو کہ زندگی کی بنیادی اکائی ہے خدا کی پیدا کردہ ہے۔

"نظریہ ارتقا کا انہدام: حقیقت تخلیق و اثبات" کے موضوع پر جولائی ۱۹۹۸ میں استنبول میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس کے شرکا کی ایک تصویر۔ (پروفیسر مائیکل جیرارڈ انتہائی دائیں جانب بیٹھے ہیں) اس کانفرنس کا اہتمام سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن نے کیا تھا۔

مائیکل جیرارڈ نے 5 جولائی 1998 کو استنبول میں سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام ایک بین الاقوامی کانفرنس میں جس کا موضوع "انہدام نظریہ ارتقاء واثبات نظریہ تخلیق" تھا اظہار خیال کرتے ہوئے کہا۔

"جاندار اشیاء کی جسمانی ساخت لیبارٹری میں حاصل کردہ نتائج کی بہ نسبت کہیں زیادہ پیچیدہ ہوتی ہے۔ جب ہم کسی وضاحت کے لئے فزکس اور کیمسٹری کے قوانین کی طرف رجوع کرتے ہیں تو جو کچھ ہم سیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک اعلیٰ

پائے کی "ذہانت اور ایک خالق کا وجود ہونا" ناگزیر ہے جس نے یہ قوانین بنائے ہیں۔ یہی اس کی اتفاقی سائنسی توجیہ ہے۔ فزکس اور کیمسٹری کے قوانین پورے تیقن کے ساتھ ہم پر یہ بات واضح کرتے ہیں کہ بے جان مادے میں سے جاندار اشیا کا وجود میں آنا یا تشکیل پانا ناممکن ہے۔ ان سائنسی حقائق کو بیان کرنے کے بعد نہ صرف میری یہ تقریر اپنے اختتام کو پہنچ رہی ہے بلکہ نظریہ ارتقا کا بھی خاتمہ ہو رہا ہے۔"
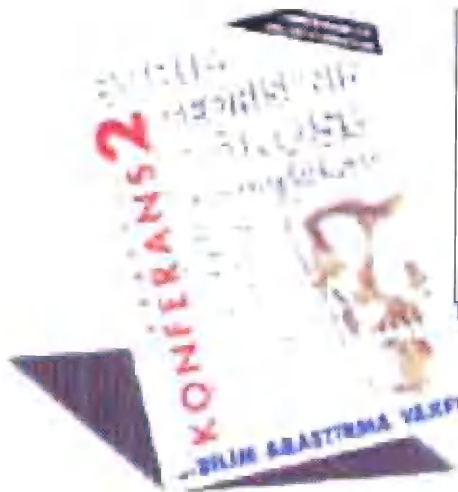
ترکی میں دوسری بین الاقوامی کانفرنس منعقدہ 5 مئی 1998 کا ایک پوسٹر۔ کانفرنس کا موضوع "انہدام نظریہ ارتقا اور حقیقتِ تخلیق" تھا اور اس کا اہتمام سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن نے کیا تھا۔

پروفیسر ایڈورڈ بوڈریکس
EDWARD BOUDREAUX

ڈاکٹر ایڈورڈ بوڈریکس یونیورسٹی آف "اورلینز" میں کیمسٹری کے پروفیسر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ زندگی کو تشکیل دینے کے لئے خدا نے کیمیائی عناصر (ELEMENTS) کو یقینی اور "قصداً" ایک خاص ترتیب دی ہوگی۔ انہوں نے یہ بات "انہدام نظریہ ارتقا" کے موضوع پر منعقد ہونے والی دوسری بین الاقوامی کانفرنس (1998) میں اپنی تقریر میں کی۔ ان کی تقریر کا موضوع "کیمسٹری میں منصوبہ بندی" تھا۔ کانفرنس استنبول میں ہوئی اور اس کا اہتمام سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن نے کیا تھا۔" ڈاکٹر بوڈریکس نے اپنی تقریر میں

مزید کہا:

"ہم جس دنیا میں رہ رہے ہیں وہاں خالق نے قوانین فطرت کو بڑے حسن ترتیب کے ساتھ ایک وضع عطا فرمائی تاکہ ہم بنی نوع انسان آرام کی زندگی بسر کر سکیں۔"

پروفیسر بوورتھ "دوسری انٹرنیشنل کانفرنس برائے انہدام نظریہ ارتقا" منعقدہ استنبول میں اظہار خیال کرتے ہوئے۔

عالمی شہرت یافتہ پروفیسر کمنگ جب انسٹی ٹیوٹ فار کری ایشن ریسرچ ان امریکہ، "دوسری انٹرنیشنل کانفرنس برائے انہدام نظریہ ارتقا" میں تقریر کر رہے ہیں۔

پروفیسر کینیتھ کمنگ (KENNETH CUMMING)

پروفیسر کینیتھ کمنگ، امریکہ میں انسٹی ٹیوٹ فار کری ایشن ریسرچ میں کام کر رہے ہیں اور عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ انہیں حیاتیاتی کیمیا اور قدیم حیاتیات میں سند مانا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا:

"میں نظریہ ارتقا کا مخالف ہوں اور خدا کی موجودگی کا قائل ہوں۔ میں دعوے سے کہتا

ہوں کہ یہ نظریہ (ارتقا) فرسودہ اور ازکار رفتہ ہو چکا ہے۔ اس کو چیلنج کیا جانا چاہیے اور اس کے ذہنی افلاس کو بے نقاب کر دیا جانا چاہیے۔ کیونکہ ہم جدھر بھی دیکھتے ہیں اپنی چاروں اطراف میں اس دانا اور زبردست حکیم کی پیدا کردہ اشیا اور مظاہر کو پاتے ہیں۔ ہم اپنے موقف کی حمایت میں ان اشیا کو بطور ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔"

(KENNETH CUMMING TAKEN FROM HIS SPEECH IN FIRST INTERNATIONAL CONFERENCE-APRIL 4,1997 IN ISTANBUL)

پروفیسر کارل فلائرمینز

پروفیسر کارل فلائرمینز
KARL FLIERMANS

پروفیسر فلائرمینز کا امریکہ میں شہرت یافتہ اور قابل احترام سائنسدانوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ انڈیانا یونیورسٹی میں مائیکرو بیالوجی کے پروفیسر ہیں اور امریکی محکمہ دفاع کی سپانسر شپ کے تحت اس موضوع پر تحقیق کر رہے ہیں کہ "بیکٹیریا کیمیاوی فضلات کی کیسے تحلیل کرتا ہے" انہوں نے استنبول میں "انہدام نظریۂ ارتقا و اثبات حقیقتِ تخلیق" کے موضوع پر منعقدہ کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے خدا پر اپنے ایمان کا اظہار ان لفظوں میں کیا:

"جدید علم حیات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ زندگی کسی اتفاق کے تحت وجود میں نہیں آئی جو اس امر کی گواہی ہے کہ دنیا میں ہر چیز ایک بلند و برتر ہستی نے پیدا کی ہے۔"

پروفیسر ڈیوڈ مینٹن
DAVID MENTON

پروفیسر مینٹن یونیورسٹی واشنگٹن میں اناٹومی کے پروفیسر ہیں۔ انہوں نے خدا کی ہستی

پر ایمان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں تیس سال سے زندہ اجسام کی تشریح و مطالعہ کے لئے ان کی چیر پھاڑ کر رہا ہوں۔ میں نے ہر دفعہ تخلیق خداوندی کی کاملیت کے نئے نئے مظاہر دیکھے ہیں۔"

پروفیسر مختلف جو ترکی میں منعقدہ کانفرنس میں بطور مندوب شریک ہوئے۔ اس کانفرنس کا اہتمام سائنس ریسرچ فاؤنڈیشن نے کیا تھا۔

پروفیسر جان مارلیس
JOHN MORRIS

ممتاز ماہر طبقات الارض پروفیسر مارلیس انسٹی ٹیوٹ آف کری ایشن (CREATION) ریسرچ کے صدر ہیں جو کہ امریکہ کا کثیر التصانیف ادارہ ہے۔ یہ ادارہ سائنسدانوں نے نظریہ تخلیق کے دفاع کے لئے قائم کیا ہے۔ انہوں نے خدا پر اپنے ایمان کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

"بہت سے ممتاز اور مستند سائنسدانوں کی طرح ہم بھی خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ کائنات خدا کی تخلیق ہے۔ اسی نے ہمیں زندگی عطا کی ہے اور ہم نے لازماً اسی کے پاس واپس جانا ہے۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے اسی کی عنایت و مہربانی ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی دنیا کی زندگی میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہنا چاہیے۔"

(TAKEN FROM HIS LECTURE IN THE INTERNATIONAL SCIENCE CONFERENCE MENTIONED ABOVE)

آرتھر پیکاک

ARTHUR PEACOCKE

آرتھر پیکاک جس کا ابتدائی شعبہ تخصیص فزیکل بائیو کیمسٹری تھا آج کل آکسفورڈ یونیورسٹی ایان رمزے سنٹر کے ڈائریکٹر ہیں انھوں نے خدا پر اپنے ایمان کا اظہار یوں کیا۔

"خدا عظیم ترین تخلیق کار ہے اور اپنی تخلیق کردہ دنیا میں ہر لمحہ موجود رہتا ہے۔ وہ ماضی و حال سے ماورا اور لازوال و لافانی ہے میری مراد یہ ہے کہ کوئی بھی ایسا لمحہ نہیں آتا جس میں وہ موجود نہ رہا ہو اور نہ آئندہ کوئی ایسا وقت اس کی موجودگی کے بغیر آ سکتا ہو۔"

(JOHN MARKS TEMPLETON, Evidence of Purpose- Scientists Discover the Creator CONTINUUM NEW YORK 1994 P 10)

البرٹ میک کومبس ونچسٹر

ALBERT MCOMBS WINCHESTER

پروفیسر ونچسٹر نے یونیورسٹی آف ٹیکساس سے پوسٹ گریجویشن کرنے کے بعد بیلر یونیورسٹی میں طبیعیات کے پروفیسر کے طور پر خدمات انجام دیں اور فلوریڈا اکیڈمی آف سائنس کے صدر بھی رہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سائنسی تحقیق خدا پر ایمان ان کے یقین کو مزید مستحکم کر رہی ہے۔

"آج میں نہایت مسرت سے کہہ رہا ہوں کہ سائنس کے مختلف شعبوں میں سالہا سال کے تحقیقی کاموں کے نتیجے میں خدا پر میرا ایمان متزلزل ہونے کی بجائے مستحکم تر ہو گیا ہے اور اب پہلے کی بہ نسبت مضبوط تر بنیادوں پر استوار ہو چکا ہے۔ سائنس اس عظیم ترین ہستی کے بارے میں انسان کی بصیرت کو گہرائی و گیرائی بخشتی ہے اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان بڑھاتی ہے۔ اور ہر نئی دریافت ایمان میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔"

(JOHN CLOVER MONSMA, The Evidence of God in an Expanding Universe, p.165)

مہدی گلشنی
MEHDI GOLSHANI

تہران میں شریف یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی کے ماہر طبعیات پروفیسر مہدی گلشنی نے نیوز ویک کو انٹرویو دیتے ہوئے خدا پر ایمان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ سائنسی تحقیق مذہب کی توثیق و تصدیق کا ذریعہ بن رہی ہے۔

''مظاہر فطرت' کائنات میں خدا کی نشانیاں ہیں۔ ان کا مطالعہ کرنا اس لحاظ سے ایک مذہبی فریضہ بن جاتا ہے۔ قرآن انسانوں کو زمین میں سفر و سیاحت کی تلقین کرتا ہے تاکہ انہیں معلوم ہو سکے اس نے تخلیق کا کیسے آغاز کیا۔'' تحقیق کرنا خدا کی عبادت کرنے کی طرح ہے کیونکہ اس سے عجائب خلقت کا انکشاف ہوتا ہے۔''
(NEWS WEEK, JULY 27,1998 p.49)

پروفیسر ایڈون فاسٹ
PROF. EDWIN FAST

پروفیسر ایڈون فاسٹ نے یونیورسٹی آف اوکلاہاما میں پوسٹ گریجویٹ ورک مکمل کرنے اور اسی یونیورسٹی کے شعبہ طبعیات میں کئی برس پڑھانے کے بعد اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ ایٹم جو مادے کے بلڈنگ بلاک ہوتے ہیں ان کے لئے از خود اکٹھے ہو کر پوری کائنات بنا دینا اور زندہ اجسام کو وجود میں لے آنا بالکل ناممکن بات تھی۔ انہوں نے اپنے عقیدہ تخلیق کا یوں اظہار کیا۔

''آپ کو اپنے پہلے سے قائم کردہ موقف سے کافی پیچھے ہٹ کر اس طرح سوچنا چاہئے کہ فطری قوانین جو کائنات میں ایک نظم کا قیام عمل میں لاتے ہیں ان کی موجودگی ذہانت کی شہادت دیتی ہے جس نے کائنات کو موجودہ شکل عطا کرنا مناسب جانا ہے۔ وہ سبب جس نے ذرات کو ایک سوچ کے تحت پیدا کیا ہے اس نے ان خصوصیات کا بھی تعین کیا ہے جو ان کے اندر ہونی چاہیے تھیں۔''
(JOGN CLOVER MONSMA, The Evidence of God in an Expanding Universe, p.155)

چارلس ایچ ٹاؤنز
CHARLES H.TOWNES

چارلس ایچ ٹاؤنز

ٹاؤنز جس نے لیزر کے پیچھے کارفرما اصول دریافت کیا' آج کل یونیورسٹی آف برکلے میں تحقیقی کاموں میں مصروف ہے اس نے خدا پر ایمان کا یوں اظہار کیا:۔

"میں بطور ایک مذہبی آدمی بڑی شدت سے ایک تخلیق کار ہستی اور اس کے کاموں کو اپنی ذات سے کافی دور محسوس کرتا ہوں۔ پھر بھی میں اسے اپنے قریب تر پاتا ہوں۔

(NEWSWEEK, JULY 27,1998 p.49)

جان پولکنگ ہورن
JOHN POLKINGHORNEE

جان پولکنگ ہورن کیمبرج یونیورسٹی کے شعبہ پارٹیکل فزکس میں شاندار رہا ہے انھوں نے نیوز ویک کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

"جب آپ محسوس کرتے ہیں کہ جیسی ہماری یہ کائنات بنی ہے اس کے لئے قوانین فطرت نے بڑی نفاست کے ساتھ اپنا کام انجام دیا ہوگا۔ اسی طرح آپ کو یہ بھی سوچ لینا چاہیئے کہ یہ سب کچھ اچانک رونما نہیں ہوا ہوگا' اس کے پیچھے کوئی مقصد ہونا لازمی تھا۔ ...... جہاں تک میرا تعلق ہے خدا پر میرے ایمان کا ایک لازمی جزو یہ ہے کہ اس کائنات کے ظہور کے پیچھے کوئی ذہن اور کوئی مقصد کارفرما تھا"

(NEWSWEEK, JULY.27.1998 p.48-49)

ہیوراس
HUGH ROSS

ہیوراس نے یونیورسٹی آف ٹورانٹو سے فلکیات میں ڈاکٹریٹ کی اور آج کل امریکہ کے ایک تحقیقی ادارے کے صدر بھی ہیں جس کا نام "اسباب تیقن" (REASONS TO BELIEVE) ہے۔ انہوں نے تکوینیات اور تخلیق کے مابین تعلق کے موضوع پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔ "خالق اور کائنات" "تخلیق اور زمانہ" اور "عالم کون و مکان کے اس پار"۔ راس نے خالق ارض و سما کے کار تخلیق کے بارے میں جو کچھ لکھا اس کا ایک نمونہ یہ ہے:۔

"اگر زمانے (TIME) اور کائنات کا آغاز ایک ہی وقت ہوا تھا جیسا کہ "قضیہ زمان و مکان" (SPACE-TIME THEOREM) میں کہا گیا ہے تو پھر کائنات کو وجود میں لانے کے لئے کسی ہستی کا موجود ہونا لازمی امر تھا جس نے کسی خاص لمحۂ وقت میں یہ عمل انجام دیا اسے وقت اور عالم کون و مکان سے بالکل ماورا اور زمان کائنات کے آغاز سے قبل موجود ہونا چاہیے۔۔۔۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خالق اعلیٰ و ارفع اور ماورائے حدود ہے جو زمانہ اور کائنات دونوں سے پہلے فرمانروائی کر رہا تھا۔"

(HUGH ROSS, Creator and the Cosmos P.112)

"اس کائنات کو وجود عطا کرنے والے خالق کو انتہائی ذہین اور مادی دنیا سے ماورا ہونا چاہئے۔ اس کا منصوبہ بنانے والے خالق کو بھی انتہائی ذہین اور ماوراء الدنیا ہونا چاہیے۔ کرۂ ارض کا منصوبہ بنانے والے خالق کو بھی ذہین اور ماورا ہونا چاہیے اور زندگی کی منصوبہ سازی کرنے والے خالق کو بھی انہی اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔"

(HUGH ROSS, Design and the Anthropic Principle, Reasons to believe CA 1988).

پروفیسر ڈاکٹر ڈوائن گش

DR DUANE GISH

ڈوائن گش نے یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، برکلے سے بائیوکیمسٹری میں پی ایچ ڈی کیا اور انہیں ان کے مذہبی عقائد کی بنا پر اور نظریہ تخلیق کے خلاف زبردست معرکوں کی وجہ سے بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ انہوں نے اس نظریے کا باطل ہونا ثابت کرنے کے لئے بے شمار کانفرنسوں میں مقالے پیش کئے۔ جس کی وجہ سے انہیں آج دنیا کے اولین مناظروں (DEBATERS) میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ 1998ء میں ترکی میں منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں تین بار بطور مقرر شریک ہوئے جن کا موضوع .... انہدام نظریہ ارتقاء اور اثبات حقیقت تخلیق تھا۔ اس موضوع پر ان کی تقریر کا ایک اقتباس یہ ہے:

پروفیسر ڈوائن گش

''نظریہ ارتقا ایک مایوس کن بحران کا شکار ہو چکا ہے۔ اس کے برعکس نظریہ تخلیق کی مضبوط شہادتوں سے تصدیق ہو چکی ہے۔ آج ہزاروں سائنسدان اس نظریے کو قابل قبول پا رہے ہیں اور ان کی تعداد میں آئے دن اضافہ ہو رہا ہے۔''
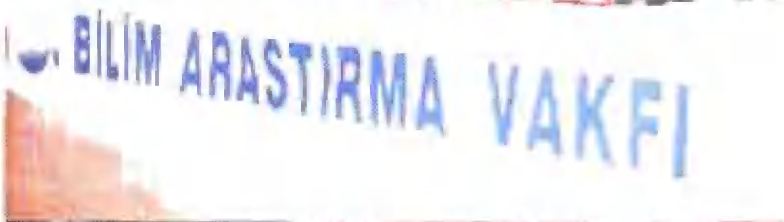
ڈاکٹر پیری گنار جرلسٹروم

PIERRE GUNNAR JERLSTROM

ڈاکٹر جرلسٹروم نے گرفتھ یونیورسٹی سے مالیکیولر بیالوجی میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی اور اپنے شعبے میں متعدد موضوعات پر تحقیق کی جس پر انہیں متعدد سائنسی ایوارڈ ملے۔ ان کے مضامین سائنسی مجلات کی زینت بنتے رہتے ہیں۔ انہیں نظریہ تخلیق کے حامی ہونے کی وجہ سے بھی خاصی شہرت حاصل ہوئی ہے۔

ڈاکٹر سٹیفن گروکوٹ

STEPHEN GROCOTT

گروکوٹ نے یونیورسٹی آف ویلسٹرن آسٹریلیا سے منظری عامل دھاتوں (OPTICALLY ACTIVE METALS کی کیمسٹری میں ڈاکٹریٹ کی اور سالہا سال تک ایلومینیم آکسائیڈ کی ریفائننگ ماحولی تجزیاتی اور صنعتی کیمسٹری کے شعبوں میں تحقیقی کام کیا اور اس سلسلے میں ان کے بہت سے مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ وہ پہلے نظریہ ارتقاء پر یقین رکھتے تھے لیکن زیادہ قبول کردار ادا کرنے سے گریزاں رہے۔ جوں جوں تحقیقی کام میں آگے بڑھتے رہے انہیں اشیا کی ”خصوصی تخلیق کاری“ (SPECIAL CREATION کی حمایت میں ہی سائنسی شواہد ملتے رہے۔ اب وہ اس موضوع کے نہ صرف حامی بن چکے ہیں بلکہ ایک سرگرم عوامی مقرر بھی تسلیم کیے جاتے ہیں۔

ڈمٹری کوزنٹسوف

DMITRY KOUZNETSOV

ممتاز روسی سائنسدان کوزنٹسوف کا بیان ہے کہ سائنسی حقائق سامنے آنے کے بعد بے شمار سائنسدان خدا اور مذہب کے قائل ہو چکے ہیں۔ چنانچہ کوزنٹسوف نظریہ ارتقا کے علمبرداروں سے تخلیق کائنات کے مسئلے پر پرجوش مناظرے کرتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر ایمیل سلویسترو
EMIL SILVESTRU

ڈاکٹر ایمیل سلویسترو رومانیہ کی "بیبز بولائی" یونیورسٹی میں بہ حیثیت ایسوسی ایٹ پروفیسر کام کرتے رہے ہیں۔ انہیں طبقات الارض کے شعبہ "غاروں کی ساخت" پر دنیا بھر میں ایک سند مانا جاتا ہے۔ اور ان کے کئی سائنسی مقالات بین الاقوامی مجلات میں چھپ چکے ہیں۔ وہ نظریہ تخلیق پر پختہ یقین رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر آندرے ایگن
ANDRE EGGEN

ڈاکٹر آندرے ایگن جنہوں نے حیوانات کی نسلی خصوصیات پر گرانقدر تحقیق کی ہے اور حکومت فرانس کے پرورشِ حیوانات اور نسلیات کے منصوبوں پر تحقیق کرتے رہے ہیں۔ وہ نظریہ تخلیق کے سرگرم حامی ہیں۔

ڈاکٹر ایان میکریڈی
IAN MACREADIE

ڈاکٹر میکریڈی مالیکولر بیالوجسٹ ہیں جنہوں نے مالیکولر اور مائیکرو بیالوجی پر وسیع تحقیق کی ہے۔ وہ ساٹھ سے زائد تحقیقی مقالات لکھ چکے ہیں اور اب آسٹریلیا کی کامن ویلتھ سائنٹیفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ آرگنائزیشن (SCIRO) میں پرنسپل ریسرچ سائنٹسٹ کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر میکریڈی جو نظریہ تخلیق پر ایمان رکھتے ہیں نمایاں تحقیقی کارناموں پر آسٹریلین سوسائٹی فار مائیکرو بیالوجی کا اعلیٰ ترین ایوارڈ بھی جیت چکے ہیں۔

پروفیسر اینڈریو کانوے ایوی
ANDREW CONWAY IVY

اینڈریوایوی علم افعال الاعضا (PHYSIOLOGY) میں عالمی شہرت رکھتے ہیں۔ وہ 1925 سے لے کر 1946 تک نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی میڈیکل سکول کے شعبہ فزیالوجی اور فارماکولوجی (علم الادویہ) کے سربراہ تھے۔1946 سے 1953 تک وہ یونیورسٹی آف الی نائے کے وائس پرنسپل تھے۔ پھر کلینیکل سائنس یونیورسٹی آف الی نائے اور کالج آف میڈیسن شکاگو میں بھی پروفیسر اور سربراہ شعبہ رہے۔ جب ان سے پوچھا گیا "کیا اس کائنات کا کوئی خالق تھا" اس پر انہوں نے جواب دیا "جی ہاں میں پورے وثوق سے کہتا ہوں خدا موجود ہے اس کی موجودگی اسی طرح یقینی ہے جس طرح اور چیزیں یقینی ہیں۔" انہوں نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

"خدا کی موجودگی کا یقین' موجودات عالم کا واحد مکمل' حتمی اور عقلی جواز پیش کرتا ہے۔ اسی یقین سے انسان کے انسان ہونے یعنی اس کا مادے اور قوت کی محض ایک پوٹلی سے کچھ زیادہ قدر و قیمت رکھنے والے جسم کا مالک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ خدا پر ایمان ہی انسان کے روحانی تصورات کا منبع اور قطعی بنیاد ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر ریمنڈ جونز
RAYMOND JONES

ڈاکٹر جونز کئی سال تک آسٹریلیا کی انتہائی اہم سائنٹیفک ایجنسی "کامن ویلتھ سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ آرگنائزیشن" (SCIRO) میں خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ اور انہیں "لیوکینا" (LEUCAENA) کا مسئلہ حل کرنے کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی جس سے آسٹریلیا کی زرعی صنعتوں نے کروڑوں روپے کمائے۔ جونز نظریہ تخلیق پر یقین رکھنے والے سائنسدانوں میں شمار ہوتے ہیں۔

جولز ایچ پوائریر
JULES H POIRIER

جولز نے امریکی بحریہ کے دفاعی اور خلائی منصوبوں میں بطور سینئر الیکٹرانک ڈیزائن سپیشلسٹ انجینئر کام کیا ہے۔ انہوں نے یونیورسٹی آف کیلی فورنیا (برکلے) میں الیکٹریکل انجینئرنگ، فزکس اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی اور اپنی پیشہ وارانہ زندگی میں کئی اختراعات کر چکے ہیں جن سے امریکی ڈیفنس فورسز اور خلائی پروگراموں کو بہت فائدہ پہنچا ہے۔ جولز پوائریر جانوروں میں بعض انتہائی عقلمندی کے کاموں کو دیکھ کر ششدر رہ گئے اور ان سے اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ جاندار یقیناً کسی خالق نے ہی پیدا کئے ہیں۔ وہ ایک کتاب "تاریکی سے روشنی اور روشنی سے پرواز تک۔ شاہ تتلی ۔۔۔ ایک معجزہ" (FROM DARKNES TO LIGT TO FLIGHT : MONARCH - MIRACLE BUTTERFLY) کے مصنف بھی ہیں، جس سے انہوں نے خاص طور پر متذکرہ نتیجہ اخذ کیا۔

مائیکل جے بیہی
MICHAEL J.BEHE

مائیکل بیہی ان ممتاز ترین سائنسدانوں میں سے ہیں۔ جو پوری کائنات اور تمام جانداروں کو ایک اعلیٰ ترین منصوبے کا نتیجہ تسلیم کرتے ہیں۔ مائیکل بیہی پنسلوانیا کی لیہائی یونیورسٹی میں بائیو کیمسٹری کے پروفیسر ہیں۔ "نیویارک ٹائمز" اور "بوسٹن ریویو" میں ان کے بے شمار مضامین چھپ چکے ہیں۔ وہ "ڈارون کا بلیک باکس" نامی کتاب کے بھی مصنف ہیں۔ جس میں انہوں نے علم حیاتیات کی بنیاد پر نظریہ ارتقاء کو جھوٹا نظریہ ثابت کیا ہے۔ اس کتاب کے 80 سے زیادہ ری پرنٹ چھپ چکے ہیں اور دنیا بھر میں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوئے ہیں۔

مائیکل جے بیہی

مائیکل بیہی نے نظریۂ ارتقاء کو ''تصور ناقابل تخفیف مجموعہ'' (IRREDUCIBLE COMPLEXITY) کے حوالے سے باطل ثابت کیا ہے۔ اس ''تصور'' کے مطابق ''بہت سے اعضا کئی ایسے ہم آہنگ اجزا پر مشتمل ہوتے ہیں کہ وہ سب مل کر ہی کسی بنیادی فنکشن کو پورا کر سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک جزو کو بھی ہٹا دیا جائے تو تمام اعضا معطل ہو جاتے ہیں اور پورے سسٹم کو ناکارہ بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا کسی اتفاقی (COINCIDENTAL) یا تدریجی ارتقا کا ظہور بالکل خارج از امکان ہے۔'' ڈاروِن کا بلیک باکس'' میں بیہی نے لکھا ہے

''یہ جاندار اور بے جان اشیا قوانین فطرت نے نہیں بنائیں اور نہ ہی اتفاقاً ظہور پذیر ہوئی ہیں بلکہ ایک منصوبے کے تحت پیدا کی گئی ہیں۔ منصوبہ ساز جانتا تھا کہ ان اجسام و اعضا کے مکمل ہونے کے بعد مختلف قسم کے نظام کیسے کام کرتے دکھائی دیں گے۔ پھر اس نے ان نظاموں کو عملی شکل دینے کے لئے اقدامات کئے۔ زمین پر پائی جانے والی زندگی اپنی انتہائی بنیادی سطح پر باریک ترین اجزا پر مشتمل ہے اور ایک زبردست شعوری منصوبہ بندی کے تحت وجود میں لائی گئی ہے۔ زندگی کی گوناگون اشکال اسی ''مجموعۂ اجزا'' (DATA) میں سے برآمد ہو رہی ہیں، انتہائی دانش و حکمت پر مبنی نظام کے تحت خود اسی منصوبہ ساز نے فراہم کی ہیں یہ سمجھنا کہ یہ بائیو کیمیکل نظامات جو ایک زبردست دانا و حکیم نے وضع کئے ہیں محض ایک بیزار کن یکسانیت کا مظہر ہیں اس کے لئے سائنس اور منطق کے نئے اصولوں کی ضرورت نہیں ہے۔

(MICHAEL J.BAHE, Darwin's Black Box, NEW YORK,FREE PRESS, 1996, p 196)

فلپ جانسن
PHILIP JOHNSON

جانسن نے جو یونیورسٹی آف کیلی فورنیا برکلے میں قانون پڑھاتے رہے ہیں مسئلہ ارتقا کے نظریاتی پہلو پر وسیع تحقیق کی ہے اور اس موضوع پر انہوں نے تین کتابیں بھی لکھی ہیں۔ کتابوں کے نام یہ ہیں۔ ''ڈاروِن پر مقدمہ'' (DARWIN ON TRIAL) ''توازن

فلپ جانسن

میں معقولیت "(REASON IN THE)" اور "اعتراض بجا" (BALANCE (OBJECTION SUSTAINED اس کے علاوہ انہوں نے فوجداری قانون پر دو عظیم کتابیں اور متعدد دیگر آرٹیکل بھی لکھے۔ انہیں نظریۂ ارتقا کی سخت مخالفت کرنے کی وجہ سے خصوصی شہرت ملی۔ جانسن ایک سائنسدان بھی ہیں اور خدا پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ ان کے عقیدے اور ان کی دلچسپیوں کا ان لفظوں سے اظہار ہوتا ہے۔

"میں مادہ پرستانہ ارتقا کے خلاف ایک چیلنج کو وجود میں لانا چاہتا ہوں آیئے ہم خالق کے اردگرد اکٹھے ہو جائیں۔"

(TIM STAFFORD, The Making of a Revolution, CHRISTIANITY TODAY, VOL. 41, NUMBER 14 DECEMBER 8, 1997)

چارلس برچ
CHARLES BIRCH

چارلس برچ آسٹریلیا کی یونیورسٹی آف سڈنی کے پروفیسر ایمریطس ہیں اور نظریہ تخلیق پر پختہ ایمان کی بنا پر شہرت رکھتے ہیں۔ انہیں مذہبی اقدار کے فروغ کے لئے نمایاں خدمات انجام دینے پر 1990 میں ٹمپلٹن پرائز دیا گیا۔ ذیل کی تحریر سے ان کے عقیدے کا بھرپور اظہار ہوتا ہے:

"خدا تمام اقدار کا منبع ہونے کی وجہ سے انسان کے ہاتھ پاؤں اور اس کی سانس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اس کی قربت کا تجربہ حاصل ہونا ایک حقیقی شے ہے۔ ......
خدا دنیا کی تخلیق کی علت بھی ہے اور اس کے اظہار کی صورت میں معلول بھی"

(JOHN MARKS TEMPLETON, KENNETH SEEMAN

GINIGER, Spiritual Evolution - Scientists Discuss Their Belief TEMPLETON FOUNDATION PRESS, PHILADELPHIA & LONDON. P.3.140

ایس جوسیلین بیل برنیل
S.JOCELYN BELL BURNELL

جوسیلین بیل برنیل برطانیہ کی اوپن یونیورسٹی میں فزکس کی پروفیسر اور سربراہ شعبہ ہیں۔ بطور ماہر فلکیات وہ گھومنے والے "نابض" ستاروں کے دریافت کنندگان میں سے ایک ہیں۔ وہ خدا پر ایمان کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہیں:۔

"میں خدا پر ایمان رکھتی ہوں جو زبردست قدرت رکھنے والا ہے اور علیم و خبیر بھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ رحم کرنے نگہبانی کرنے اور درگزر کرنے والا بھی ہے ...... میں پورا یقین رکھتی ہوں کہ خدا موجود ہے۔"

(Ibid - (P.22 - 23)

پروفیسر اوین جنجرچ
OWEN GINGERICH

اوین جنجرچ' ہارورڈ سمتھسونین سنٹر فار آسٹروفزکس کیمرج میساچوسٹس میں فلکیات اور تاریخ سائنس کے پروفیسر ہیں اور خدا پر پختہ ایمان رکھتے ہیں جس کا انہوں نے یوں اظہار کیا۔

"خدا زبردست حکمت و دانش کا مالک ہے' جس نے کائنات کا منصوبہ بنایا اور اسے تخلیق کیا ...... میں یقین رکھتا ہوں کہ تخلیق کائنات کا اصل سبب یہ تھا کہ خدا انسانیت کی تخلیق کرنا چاہتا تھا۔ انسان کو خدا کی شبیہ کے مطابق پیدا کیا گیا بالخصوص بلحاظ شعور اور ضمیر کے اور اخلاقی آزادی کے ...... تاکہ وہ نیکی اور

برائی جس کو چاہے اختیار کر سکے۔"

(Ibid. P.50 -51)

پروفیسر کارل فریڈرک وان وزیکر
CARL FRIDRICH VON WEIZSACKER

جرمنی کے وزیکر طبیعیات اور فلسفہ کے پروفیسر ہیں انہوں نے خدا پر ایمان کا اظہار یوں کیا۔

"ایک تاروں بھری رات میں نے سوئٹزر لینڈ کے جورا (JURA) پہاڑوں کی سیر کرتے ہوئے دو حقیقتوں کو محسوس کیا۔ ایک یہ کہ یہاں خدا موجود ہے اور دوسری یہ کہ ستارے گیس کے کرے ہیں۔ جیسا کہ آج کا علم طبیعیات ہمیں درس دیتا ہے۔"

(Ibid, P.131)

پروفیسر ڈیوڈ برلنسکی
DAVID BERLINSKI

ڈیوڈ برلنسکی نے پرنسٹن یونیورسٹی سے ریاضی میں ڈاکٹریٹ کی ہے۔ انہوں نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ جاندار اشیا کا ظہور ارتقا کے ذریعے نہیں ہوا بلکہ یہ ایک ذہانت پر مبنی منصوبے کے تحت وجود میں آئی ہیں۔ برلنسکی نے اپنی تحریروں میں بار بار خدا کا ذکر بطور "مصنف منصوبہ تخلیق" کیا ہے۔ ان کی ایک ایسی تحریر یہ ہے:

"زندگی کی شکلیں پیچیدہ ہیں۔ اس خاصتاً انسانی دنیا میں پیچیدہ ساخت والی اشکال صرف سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بنائی جاتی ہیں۔ جب ایک انگشتانے (THIMBLE) جیسی چیز بنانے کے لئے بھی ذہانت درکار ہوتی ہے تو زندگی کی تشکیل اس سے مختلف کیوں ہو؟"

(http://www.rae.org/dendar.html)

"سالماتی حیاتیات (مالیکولر بیالوجی) نے انکشاف کیا ہے کہ باقی چیزیں خواہ کچھ بھی ہوں ایک زندہ چیز خدا ہی کی تخلیق ہو سکتی ہے۔"

(http://www.leadru. org / materse html)

پروفیسر ولیم لین کریگ

WILLIAM LANE CRAIG

ولیم کریگ نے میونخ (مغربی جرمنی) کی لڈویگ میکسی ملن یونیورسٹی سے الہیات میں ڈاکٹریٹ کرنے سے پہلے یونیورسٹی آف برمنگھم (انگلینڈ) سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کر لی تھی۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ کائنات ایک خصوصی مقصد کے تحت بنائی ہے۔ انہوں نے اپنے اس عقیدے کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔

"کائنات کا وجود اپنے اندر ایک واضح مقصد رکھتا ہے۔ یہ دلیل پورے یقین کے ساتھ دی جا سکتی ہے کہ یہ مقصد خالق کی مرضی سے تعلق رکھتا ہے ورنہ ایک مستقل علت کا ایک عارضی معلول کیسے ہو سکتا تھا............ ہم ایک فلسفیانہ دلیل اور سائنسی توثیق دونوں کی بنیاد پر دیکھ چکے ہیں کہ کائنات کا وجود قرین قیاس ہے اگر اس بدیہی اصول کو مان لیا جائے کہ جو چیز قائم ہونا شروع ہو چکی ہے اس کے قیام کا جواز موجود تھا تو پھر ہم اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ کائنات سے معرض وجود میں آنے کا سبب موجود ہے۔ ہماری دلیل کی بنیاد پر اس سبب کو واجب الوجود، ذاتی، ناقابل تغیر، لازمان (TIMELESS) اور غیر مادی ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں یہ اس ذات کی مرضی کا معاملہ ہے جو ایک معلول کو کسی بھی وقت وجود میں لانے میں پوری طرح آزاد ہے۔ اس لئے میں تکوینی دلیل (COSMOLOGICAL ARGUMENT) کی بنا پر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خدا موجود ہے۔

(http://www.leadru. com/truth/3 truth 11.html)

"اگر اس دلیل کو تمہید مان لیا جائے کہ "لاشئی سے کوئی شے اخذ نہیں کی جا سکتی" (لا یصدر شیء عن لا شیء) تو "بگ بینگ" کے لئے ایک مافوق الفطرت سبب درکار ہے۔ چونکہ ابتدائی کونیاتی انفرادیت (COSMOLOGICAL SINGULARITY) زمان و مکان کے تمام خطوط مستدیر کی انتہا کو ظاہر کرتی ہے

اس لئے بگ بینگ کا کوئی مادی سبب نہیں ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ علت (CAUSE) کو مادی زمان و مکان سے کہیں زیادہ بڑھ کر قوی ہونا چاہیے۔ اسے کائنات سے لازماً مستغنی اور کہیں زیادہ صاحب قدرت ہونے کی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں علت کو ایک متعین حیثیت کا حامل (PESONAL BEING) بھی ہونا چاہیے اور وہ خود اپنی مرضی کا مالک بھی ہو۔ لہٰذا کائنات کی پیدائش کا سبب ایک متعین ہستی ہے جو اس کا خالق ہے۔ وہ کسی متناہی (FINITE TIME) زمانے میں کائنات کو اپنی آزاد مرضی استعمال کر کے عدم سے وجود میں لایا تھا''

(WILKIAM LANE CARAIG, Cosmos and Creator, Origins & Design, Vol 17, p.18)

ڈاکٹر کرٹ وائز

KURT WISE

ڈاکٹر وائز ماہر حیاتیات قدیم ہیں اور برائن کالج میں شعبہ ریاضی اور فطری سائنس کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں اور خدا پر پختہ ایمان اور نظریہ ارتقا کے شدید مخالف ہونے کی وجہ سے بڑی شہرت رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''تخلیق کوئی نظریہ نہیں ہے' کیونکہ خدا کا کائنات کو پیدا کرنا ایک واقعہ ہے' نظریہ نہیں ہے اور یہ سچا واقعہ ہے''

(http://www.answering enesis.org/ Docs/3119.html.)

سیگفر ڈہارٹ وگ شیرر

SIEGFRID HARTWIG SCHERER

سیگفر ڈہارٹ وگ شیرر نے یونیورسٹی آف زیورچ سے علم الانسان کے مضمون میں پی ایچ ڈی کی۔ وہ ''نسب نامہ انسان'' کے موضوع پر ایک وقیع کتاب کی مصنف ہیں۔ انہوں نے اپنے تحقیقی کام میں ثابت کیا ہے کہ حجرات کا ریکارڈ نظریہ ارتقا کی تردید کرتا ہے اور یہ بھی کہ بندر ہی نوع انسان کے مورث اعلیٰ نہیں ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

جے پی مورلینڈ

جے پی مورلینڈ

J.P.MORELAND

جے پی مورلینڈ نے یونیورسٹی آف ساؤدرن کیلیفورنیا سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کیا ہے وہ ایک زیرک اور صاحب ایمان سائنسدان ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام "مسیحیت اور فطری سائنس اور مفروضہ تخلیق" رکھا گیا ہے۔

پال اے نیلسن

پال اے نیلسن

PAUL A NELSON

پال اے نیلسن نے یونیورسٹی آف شکاگو سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کیا۔ وہ ان سائنسدانوں میں سے ہیں جو زندگی کو ایک پُر مغز منصوبے کا نتیجہ تسلیم کرتے ہیں۔

پروفیسر جوناتھن ویلز

JOHNATHAN WELLS

پروفیسر جوناتھن ویلز نے ییل (YALE) سے الٰہیات میں ڈاکٹریٹ کی اور بعد میں یونیورسٹی آف کیلی فورنیا (برکلے) کے شعبہ سالماتی اور خلیاتی تحقیق میں پوسٹ ڈاکٹورل ریسرچ کرتے رہے۔ وہ ایک کتاب کے مصنف بھی ہیں جس کا نام (CHARLESS HODGE'S CRITIQUE OF DARWINISM) ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ سائنس کے جمع کردہ تازہ ترین شواہد نے ثابت کر دیا ہے کہ زندگی ایک منصوبے کے تحت وجود میں آئی ہے۔

ڈاکٹر ڈان بیٹن

DON BATTEN

ڈاکٹر بیٹن نے پلانٹ فزیالوجی میں وسیع تحقیق کی ہے اور اس پر متعدد ایوارڈز جیتے ہیں۔ وہ خدا کے وجود پر ایمان رکھنے والے سائنسدانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے روئے زمین پر تخلیق کے شواہد کے بارے میں متعدد مضامین سپرد قلم کیے ہیں اور اپنے شعبے کے اندر بھی ایسی شہادتیں اکٹھی کی ہیں۔ انہوں نے دنیا کے متعدد ممالک کے تعلیمی دورے کیے اور مختلف اجتماعات میں ''خدا کی نشانیاں'' پر تان اکیڈمک زبان (عوامی لب ولہجے) میں اظہار خیال کیا۔ اس آسٹریلوی سائنسدان نے اپنا پہلا ''لیکچر ٹور'' 1995 میں کیا اور برطانوی اہل علم سے اس موضوع پر مخاطب ہوئے۔

ڈاکٹر ڈان بیٹن

ڈاکٹر جان بام گارڈنر

JOHN BAUMGARDNER

ڈاکٹر بام گارڈنر نے یونیورسٹی آف کیلی فورنیا (لاس اینجلس) سے جیو فزکس اور سپیس فزکس میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ اپنی تحقیق کے دوران نظریہ ارتقا کی بند گلی (IMPASSE) میں پھنس گئے۔ چنانچہ وہ اس سے سخت بددل ہوئے۔ اب وہ اس نظریے کی مذمت کرتے ہیں اور نظریۂ تخلیق کے پرجوش حامی بن چکے ہیں حالانکہ انہوں نے ارتقائی تعلیم حاصل کی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر ڈونلڈ چٹک

DONALD CHITTICK

ڈاکٹر ڈونلڈ چٹک نے اوریگن سٹیٹ یونیورسٹی سے فزیکل کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کی اور انہیں اپنے تحقیقی کام پر کئی ایوارڈ بھی ملے۔ آج کل وہ "تخلیق کے شواہد" اور "تخلیق اور ابتدائی زمین" کے موضوعات پر لیکچرز دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر ورنر گٹ

WERNER GITT

ڈاکٹر گٹ جرمن فیڈرل انسٹی ٹیوٹ آف فزکس اینڈ ٹیکنالوجی کے ڈائریکٹر اور پروفیسر ہیں۔ انہوں نے انفارمیشن سائنس، میتھمیٹکس اور کنٹرول انجینئرنگ کے شعبوں کے بارے میں متعدد سائنسی مقالات لکھے ہیں۔ وہ نہ صرف نظریۂ تخلیق پر ایمان رکھتے ہیں بلکہ انہوں نے نظریۂ ارتقا کی مذمت پر متعدد کتابیں بھی لکھی ہیں۔

ڈاکٹر گیری ای پارکر

(GARY E.PARKER)

ڈاکٹر پارکر نے بال سٹیٹ یونیورسٹی سے بیالوجی/فزیالوجی میں ایم ایس کرنے کے بعد کئی اکیڈمک ایوارڈز حاصل کیے اور بطور ارتقائی سائنسدان اپنا کیریئر شروع کیا لیکن جب انہیں نظریۂ تخلیق کی حمایت میں یکے بعد دیگرے سائنسی شواہد ملے تو ارتقائی نظریے سے دست بردار ہو گئے اور خالق کی موجودگی کو تسلیم کر لیا۔ وہ بیالوجی اور تخلیقی سائنس پر متعدد کتابوں کے

مصنف بھی ہیں اور تخلیق کائنات پر دنیا بھر میں لیکچروں کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔

ڈاکٹر مارگریٹ ہیلڈر

MARGARET HELDER

ڈاکٹر مارگریٹ ہیلڈر ماہر نباتات ہیں اور کری ایشن سائنس ایسوسی ایشن البرٹا (کینیڈا) کی نائب صدر بھی ہیں۔ وہ ایک ممتاز ترین تخلیقی سائنسدان خاتون ہیں اور گردوپیش کے ماحول میں تخلیق کے شواہد پر کئی کتابیں بھی لکھ چکی ہیں۔

ڈاکٹر جوناتھن ڈی سرفیٹی

JONATHAN D.SARFATI

ڈاکٹر سرفیٹی نے وکٹوریہ یونیورسٹی آف ولنگٹن سے کیمسٹری میں پی ایچ ڈی کیا اور متعدد سائنسی مجلات میں شریک مصنف کے طور پر کئی مقالات لکھنے کا اعزاز پا چکے ہیں۔ انہوں نے ایمان کے دفاع میں قلم کو خوب استعمال کیا۔ مسئلہ تخلیق کی حمایت کے سلسلے میں وہ زبردست سرگرمیوں کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

پروفیسر رابرٹ میتھیوز

ROBERT MATTHEWS

میتھوز نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے فزکس میں گریجویشن کی اور آج کل وہ رائل سٹیٹسٹیکل سوسائٹی اور رائل آسٹرانومیکل سوسائٹی کے فیلو ہیں۔ انہوں نے اپنی ایک کتاب میں جو 1992 میں شائع ہوئی خدا کے معجزۂ تخلیق پر قابل قدر خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"سارا تخلیقی عمل "کمال خوش اسلوبی" سے مکمل ہوتا ہے۔ پہلے ایک جنین (FOETUS) ہوتا ہے۔ پھر ایک زندہ بے بی اور پھر ایک بچہ اور بالآخر جوان رعنا بن جاتا ہے۔ علم حیاتیات میں کئی ایسے معجزات سے سابقہ پڑتا ہے کہ ایک سادہ ترین آغاز کتنی حیرت انگیز پیچیدہ مشینری والی اشکال پر منتج ہوتا ہے! مختصر یہ کہ ایک

باریک ترین خلیہ جو انگریزی کے 9ویں حرف "i" کے نقطے سے بھی باریک ہوتا ہے کیسے ایک صاحب ادراک شخصیت کا روپ دھار لیتا ہے؟ یہ خلیہ جن مرحلوں میں سے گزرتا ہے بڑے پراسرار ہوتے ہیں۔ دنیا میں جتنے نمایاں ترین اسرار رونما ہوتے ہیں انسانی بچے کی تخلیق ان سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہوتی ہے۔"

(ROBERT MATTHEWS, UNravelling the Mind of God p.8)

ڈاکٹر کلاڈ ٹریسمونٹ

CLAUDE TRESMONTANT

یونیورسٹی آف پیرس کے ڈاکٹر کلاڈ ٹریسمونٹ نے ایک مجلہ "حقیقتیں" (REALITIES) کو انٹرویو دیتے ہوئے "مستند تحقیق" اور "ذہن" پر اپنے ایمان کا اظہار کیا اور کہا کہ ذہن اتفاقاً پیدا نہیں ہوئی:

"اتفاقات کی کوئی تھیوری تخلیق عالم کی توجیہ نہیں کر سکی.........اس دعوے میں کوئی معقولیت نہیں کہ موجودات کی تخلیق محض اتفاقاً ہوئی تھی۔

(CLAUDE TRESMONTANT, IT is Easier to Prove the Existence of God than it used to Be REALITES, PARIS April 1967, p.46)

ڈاکٹر ڈان پیج

DON PAGE

ڈان پیج نے کیلی فورنیا انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی سے 1976 میں فزکس میں پی ایچ ڈی کیا اور اس وقت سے ممتاز سائنسدانوں کی معیت میں تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کائنات کو سمجھنے کی کوشش کرنے سے خدا کی زبردست قدرت اور اس کی دانش و حکمت کا شعور حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر ادھورا، کیونکہ اس عظیم ذات کا پوری طرح ادراک کرنا انسان کے بس میں نہیں۔

ڈاکٹر اینڈریو سنیلنگ

ANDREW SNELLING

ڈاکٹر اینڈریو سنیلنگ علم طبقات الارض میں پی ایچ ڈی ہیں اور دولت مشترکہ کی سائنسی صنعتی تحقیق کی تنظیم (CSIRO) اور آسٹریلیا کی ایٹمی سائنس اینڈ ٹیکنالوجی کی تنظیم (ANSTRO) اور امریکہ، برطانیہ، جاپان اور سویڈن کے سائنسدانوں اور بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی کے ساتھ مشترکہ پروگراموں میں حصہ لیتے رہے۔ متعدد بین الاقوامی مجلات میں مضامین بھی لکھتے رہے۔ اس سلسلے میں کئی عالمی اعزازات بھی حاصل کر چکے ہیں۔ انہوں نے زندہ اشیا میں تخلیق کی نشانیوں پر بھی بے شمار مضامین لکھے ہیں۔

ڈاکٹر کارل وائیلنڈ

CARL WIELAND

ڈاکٹر کارل وائیلنڈ نظریہ تخلیق پر یقین رکھنے والے میڈیکل ڈاکٹر ہیں۔ انہیں تخلیق کے سائنسی شواہد پر مجالس مذاکرہ میں اظہار خیال کے لئے عموماً مدعو کیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر بے شمار مضامین بھی لکھے ہیں جو بین الاقوامی مجلات میں شائع ہو چکے ہیں۔

دیگر جدید اہلِ ایمان سائنسدان

ذیل میں ہم دیگر اہلِ ایمان سائنسدانوں کے ناموں اور ان کے شعبہ ہائے تخصیص کا ذکر کر رہے ہیں جو کائنات کے "اتفاقی ظہور" کے نظریے سے کلی طور پر مخالف ہیں اور اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ساری کائنات اور اس میں پائی جانے والی جملہ جاندار و بے جان اشیا خداوند تعالیٰ کی زبردست منصوبہ بندی کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہیں اور ان کے وجود و ساخت میں بے پناہ دانش و حکمت مضمر ہے۔

جان کے جی کریمر (بایو کیمسٹری)	الیگزینڈر روی ڈالوموف (جیالوجی)
ڈاکٹر جیری برگمین (سائیکالوجی)	پروفیسر ڈاکٹر سٹیو آسٹن (جیالوجی)
ڈاکٹر ممبرلے پیرائن (مائیکرو بیالوجی اور امیونالوجی)	پروفیسر رابرٹ نیوٹن (آسٹروفزکس)
جے ایل وائیل (نیوکلیئر کیمسٹری)	ڈاکٹر رسل ہمفریز (فزکس)
ڈاکٹر اینڈریو بوساکے (بیالوجی اور مائیکرو بیالوجی)	ڈاکٹر جیوف ڈاوز (پلانٹ فزیالوجی)
پروفیسر ولادیمیر بیٹینا (بایو کیمسٹری اور بیالوجی)	ڈاکٹر لیری بٹلر (بایو کیمسٹری)
ڈاکٹر ڈیوڈ آر بوائلین (کیمیکل انجینئرنگ)	پروفیسر لین ای گرودرز (سٹیٹکس)
ڈاکٹر کلفورڈ ڈیک (جیالوجی)	پروفیسر سنگ ڈوچا (فزکس)
رابرٹ کیٹا (پلازما فزکس)	ڈیوڈ ڈیوٹ (نیورو سائنس)

پروفیسر ڈاکٹر یوجین ایف، چیفن (فزکس)	ڈاکٹر ڈگلس ڈین (بیالوجیکل کیمسٹری)
ڈاکٹر چونگ کک چنگ (جینیٹک انجینئرنگ)	ڈاکٹر ڈون ڈی ینگ (آسٹرانومی، اسٹرافیزک پبلشر)
پروفیسر چنگ اے چاؤ (بیالوجی)	پروفیسر ڈیئی فاکنر (آسٹرانومی)
ڈاکٹر ہیرولڈ کوفین (بلیڈ لوجی)	پروفیسر ڈینس ایل، اسٹنگن (جیوفزکس)
ڈاکٹر جیک ڈبلیو، کوزو (میڈیسن)	پروفیسر رابرٹ ایچ فرینکلس (بیالوجی)
ڈاکٹر مالکم کچنز (ایروسپیس انجینئرنگ)	ڈاکٹر ڈونلڈ ہمن (فوڈ سائنٹسٹ)
ڈاکٹر لیو ڈائمر (آرگینک کیمسٹری)	ڈاکٹر ہیری پارکر (فلاسفی)
ڈاکٹر ریمنڈ وی، ڈاماڈیان (فزکس)	ڈاکٹر چارلس ڈبلیو، ہیریسن (اپلائیڈ فزکس)
ڈاکٹر کرس ڈارنبارو (بائیوکیمسٹری)	ڈاکٹر ہیرلڈ آر، ہنری (انجینئرنگ)
ڈاکٹر ایس، ای، آ (بائیوکیمسٹری)	ڈاکٹر جوزف ہنسن (اینتھرالوجی)
ڈاکٹر تھامس بارنیس (فزکس)	رابرٹ اے ہرمن (میتھمیٹکس)
ڈاکٹر پال ایکرمین (سائیکالوجی)	ڈاکٹر رسل ہمفریز (فزکس)

ڈاکٹر جوناتھن ڈبلیو، جونز
(میڈیسن)
ڈاکٹر ویلری کارپونن
(میتھیمیٹکس)
ڈاکٹر ڈین کینان
(بیالوجی)
ڈاکٹر جان ڈبلیو، کلوٹس
(بیالوجی)
ولاڈیمیر ایف، کونڈالنکو
(سائیکالوجی، سیل پیتھالوجی)
ڈاکٹر لیونیڈ کوراچکن
(ڈینامکس، مالیکیولر بیالوجی، نیورو بیالوجی)
پروفیسر جن بیوک کوون
(فزکس)
پروفیسر میونگ، سنگ کوون
(امیونالوجی)
پروفیسر جان لیناکس
(میتھمیٹکس)
ڈاکٹر جان لزلی
(بایو کیمسٹری)
پروفیسر لین پی، لیسٹر
(بیالوجی، جینیٹکس)
پروفیسر جارج ڈی، لنڈے
(سائنس ایجوکیشن)

ڈاکٹر مین لو
(کیمسٹری)
پروفیسر مارون ایل، لوبینو
(انتھروپالوجی)
ڈاکٹر اینڈریو میکنٹوش
(ایروڈائنامکس)
ڈاکٹر جان مین
(ایگریکلچرسٹ)
ڈاکٹر فرینک مارش
(بیالوجی)
ڈاکٹر رالف میتھوز
(ریڈی ایشن کیمسٹری)
ڈاکٹر جان میئرز
(فزیالوجی)
ڈاکٹر ہنری ایم مارلیس
(ہائیڈرالوجی)
ڈاکٹر لین، مارلیس
(فزیالوجی)
ڈاکٹر گریم موٹیمر
(بیالوجی)
پروفیسر ہی ٹوٹن نو
(نیوکلیئر انجینئرنگ)
ڈاکٹر ڈیوڈ اوڈر برگ
(فلاسفی)

پروفیسر جان اولر
(لسانیات)
پروفیسر کرن ڈی، او سیوران
(بیالوجی)
ڈاکٹر جان اوسکڈ
(میڈیسن)
ڈاکٹر چارلس
(باٹنی)
پروفیسر جے، رینڈل شارٹ
(پیڈیاٹرکس)
ڈاکٹر جنگ، گورو
(بیالوجی)
ڈاکٹر ڈیوڈ روز ویئر
(کیمسٹری)
ڈاکٹر ینگ، جی شیم
(کیمسٹری)
ڈاکٹر میخائل شلیجن
(فزکس)
ڈاکٹر راجر میپسن
(انجینئرنگ)
ڈاکٹر ہیرلڈ سلشر
(جیوفزکس)
پروفیسر ییٹن، سوک سنگ
(کمپیوٹر سائنس)
پروفیسر جیمز سارک
(سائنس ایجوکیشن)

پروفیسر برائن سٹون
(انجینئرنگ)
ڈاکٹر لیوڈمیلا جانکونوگ
(کیمسٹری، بایوکیمسٹری)
ڈاکٹر لیری وارڈ ڈیمین
(اسٹماسفرک سائنس)
ڈاکٹر جوچم وئر
(بیالوجی)
ڈاکٹر نوئیل ویکس
(زوالوجی)
ڈاکٹر اے، جے مانچی وائٹ
(کیمسٹری، گیس کائنیٹکس)
پروفیسر اے، ای، وائیلڈر سمتھ
(آرگینک اور فارماکولوجی)
ڈاکٹر کالفو رڈولسن
(آرکیالوجی)
پروفیسر ورنا رائیٹ
(میڈیسن)
پروفیسر سیون ہونگ یانگ
(فزکس)
ڈاکٹر اک ڈانگ یو
(جینیٹکس)
ڈاکٹر سونگ ہی یون
(بیالوجی)

حرفِ آخر

انسان کے لئے کائنات اور زندگی کی تخلیق کے بارے میں صحیح معلومات کا واحد ذریعہ "مذہب" ہے تاہم جب ہم مذہب کا لفظ کہتے ہیں اس وقت ہمارا اشارہ قرآن مجید کی طرف ہوتا ہے جو صحیح ترین ماخذ علم کائنات وانسان ہے۔ دیگر مذاہب کی آسمانی کتب اب وہ حیثیت نہیں رکھتیں جو انہیں اپنے زمانہ نزول میں حاصل تھی۔ کیونکہ ان میں تحریف کر دی گئی ہے۔

ان کے برعکس قرآن مجید یقینی طور پر کلام اللہ ہے اور ہر قسم کے تضاد سے بالکل منزہ و مبرا ہے۔ خدا نے یہ کتاب خالصتاً اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اتاری ہے۔ چنانچہ سورۃ الحجر میں آتا ہے۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون

(یہ ذکر ہم نے اتارا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ آیت ۹)

خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قرآن اس کی آخری وحی ہے اس لئے اس کی حفاظت کا اس نے خود ذمہ لیا ہے لہٰذا سائنس کی تیز رفتار ترقی اسی وقت ممکن ہے جب وہ قرآن سے رہنمائی حاصل کرے اور خالق کائنات کے بتائے ہوئے راستے پر گامزن رہے۔ اگر اس راستے کی الٹی سمت چلنے کی کوشش کی گئی تو سائنس دان وقت اور وسائل دونوں کو برباد کرنے کے مرتکب ہوں گے جس سے لامحالہ سائنس کی ترقی میں رکاوٹ پڑے گی۔

جیسا کہ انسانی مساعی کے دوسرے شعبوں کا معاملہ ہے سائنس کے شعبے کے لئے بھی صحیح راہ وہی ہے جسے رب العالمین اور احکم الحاکمین نے صحیح کہا ہے۔

اور قرآن مجید میں سمت کا تعین کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۹ میں فرمایا گیا ہے۔

ان هذا القرآن یهدی للتی هی اقوم

(حقیقت یہ ہے کہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے)

THE
QURAN LEADS
THE WAY TO SCIENCE
MAKTABA REHMANIA
IQRA CENTRE, GHAZNI STREET,
URDU BAZAR, LAHORE. PH: 042-7224228